Fikr-o-Nasar (Islamabad) 28-29:4,1-2 (1991)

عــربی شاعری اندلس میں

(ایک طائرانہ جائزہ)

ڈاکٹر خورشید رضوی

اگر ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کی اس تازہ تحقیق سے اتفاق کر لیا جائے کہ مسلمان افواج طارق بن زیاد سے بہت پہلے ۲۷ ھ میں اندلس میں قدم رکھ چکی تھیں (۱)۔ تو پھر یہاں کی فضاؤں میں اولین عربی اشعار بھی اسی زمانے میں گنگنائے گئے ہوں گے۔ بعد ازاں طارق بن زیاد اور موسی بن نصیر کے ساتھ اندلس میں عربوں کی آمد اور پھر ان کے نسلی و گروھی تعصبات کے ھنگاموں میں ، ممکن نہیں کہ یاد ماضی اور فخر و مباھات کے جذبات کو شعر کی زبان میں ادا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن ان ابتدائی ادوار کی رجز خوانی ہو یا غزل سرائی،سب ہواؤں میں تحلیل ہو چکی ہے۔ شاید اس لئے کہ یہ ادوار ایسی عملی کشاکش سے عبارت تھے جس میں ادبی آثار کی حفاظت کا اهتمام ممکن نہ تھا۔

سر زمین اندلس میں تخلیق ہونے والی عربی شاعری کا اولین قابل ذکر نمونہ ، جو محفوظ رہ سکا ہے ، غالباً صقر قریش عبدالرحمن الداخل (م۱۷۲ ھ/ ۷۸۸ء) کے بعض اشعار ہیں جن پر یاد وطن یا فخر کا مضمون غالب ہے (۲) ۔ ان میں زیادہ شہرت چار شعر کے اس قطعے کو ملی جو اس نے رُصافۂ قرطبہ(۳) میں کھجور کے ایک تنہا درخت کو دیکھ کر کہا۔ کھجور کا درخت اندلس کی چیز

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

نہ تھی ـ یہ اسے اس کے وطن، سر زمین شام، اور وہاں امویوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتا تھا ـ شاید اسی لئے اس نے مسجد قرطبہ کے ستون اور ان کی درمیانی قوسیں اس وضع پر رکھوائیں کہ ایک نخلستان کا نمونہ پیش کریں ـ اقبال نے اسی کیفیت کو محسوس کرکے کہا تھا :

تیری بنا پائدار ، تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ھجوم نخیل (۴)

بہرکیف رصافہ میں کھجور کا پیڑ دیکھ کر عبدالرحمٰن کے دل کے تار جھنجھنا اٹھے اور اس نے اپنے اور اس کے درمیان غریب الوطنی کا اشتراک محسوس کرتے ہوئے کہا : (۵)

تبدّت لنا وسطَ الرصافة نخلةُ
تناءَت بارضِ الغربِ عن بلد النّخلِ
فقلتُ شبیھی فی التغرّبِ والنّوی
وطولِ التّنائی عن بنّی وعن اھلی
نشأت بارضٍ انت فیھا غریبةٌ
فمثلکِ فی الا قصاءِ والمنتأی مثلی
سقتکِ غوادی المُزنِ صوبھا الذی
یسحُّ ویستمری السّما کَین بالوَبْلِ

,,رصافہ کے وسط میں ایک کھجور ھمیں دکھائی دی
جو کھجوروں کی سرزمین سے بہت دور ارض مغرب میں
کھڑی تھی ـ
میں نے اس سے کہا : اے کہ تو میری شبیہ ہے ـ
غریب الوطنی میں ، بُعد مکانی میں، اور اھل و عیال سے مدتوں
کے فراق میں تونے ایک ایسی زمین میں نشوونما پائی ہے جہاں

تو غریب الدیار ہے۔
چنانچہ فاصلوں اور دوریوں کے حوالے سے تو میری مثال ہے
خدا کرے صبح کے بادل تجھے اپنے دھارے سے سیراب کریں جو
کھل کر برستا ہے اور (آسمان کے ستاروں) سماکین ، سے
موسلادھار بارش کھینچ کر لے آتا ہے "۔

اقبال نے بال جبریل میں ان اشعار کا آزاد ترجمہ ,,عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت ۔ سر زمین اندلس میں " کے عنوان سے کیا ہے :

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تُو
پردیس میں ناصبور ہوں میں
پردیس میں ناصبور ہے تُو
غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تیرا نم سحر ہو (٦)

اندلس کے اموی حکمرانوں میں عبدالرحمٰن کا ذوق شعری نسل در نسل ظہور کرتا رہا ۔ ابن الابّار نے اس کے بیٹے هشام اور پوتے الحکم کے اشعار نقل کئے هیں (٧)۔ اس کا پرپوتا عبدالرحمان الاوسط شعر و ادب اور فنون لطیفه سے گہری دل چسپی رکھتا تھا اور گاھے گاھے خود بھی شعر کہتا تھا ۔ مشہور مغنّی زریاب اسی کے دربار سے وابستہ تھا ۔ اسی کے زیر سرپرستی یحیی بن الحکم الغزال (٨) جیسا شاعر ابھرا جس کے بارے میں روایت ہے که اس نے ایک مرتبه اهل بغداد کو اپنے چند شعر یه کہه کر سنا دیئے که یه ابو نواس کے شعر هیں تو کسی کو اس پر شک نه گزرا (٩)۔ الغزال نے اندلس کی منظوم تاریخ بھی لکھی ۔ (١٠) شاعر ہونے کے علاوہ وہ بڑی سوجھ بوجھ کا

آدمی بھی تھا، اور عبدالرحمٰن اس سے سفارتی کام بھی لیتا تھا(۱۱)۔ عبد الرحمٰن کے درباری شعراء میں عبداللہ بن الشّمِر (۱۲) کا نام بھی نمایاں ہے۔

شاعری کا یہ ذوق رفتہ رفتہ اندلسی ثقافت کی رگ وپے میں سرایت کر گیا ۔ صاحبان اقتدار خود شعر کہتے تھے اور شعراء کی سرپرستی کرتے تھے ۔ اگرچہ یہ سب شعراء قبول عام نہ پاسکے مثلاً القلفاط محمد بن یحیی اور عبیدیس بن محمود (۱۳) ۔ امیر ابو الحکم المنذر بن محمد ، عبدالرحمٰن الداخل کی پانچویں پشت میں تھا اس کے دربار سے العکّی اور ابن عبدربّہ وابستہ تھے (۱۴)۔ تاہم ابن عبدربّہ کی شہرت بھی بطور شاعر کچھ زیادہ نہیں اور وہ ,,العقد الفرید ،، کی تالیف کے سبب زیادہ معروف ہے۔ بہرحال وہ اندلس کے سب سے زیادہ پر شکوہ اموی حکمران عبد الرحمٰن لثالث (الناصر) کے زمانے تک بطور شاعر دربار سے وابستہ رہا اور اس کے دور پر یوں تبصرہ کیا:

قَد اَوضح اللهُ للاسِلام مِنهاجًا
والناسُ قد دخلوا فی الدین افواجا
وقد تزیّنتِ الدنیا لساکِنِہا
کاَنّما لبستْ وشْیاً و دیباجًا (۱۵)

اللہ نے اسلام کا راستہ واضح کر دیا
اور لوگ دین میں جوق در جوق داخل ہوئے
اور دنیا اهل دنیا کے لئے بن سنور گئی
گویا اس نے منقش پیرهن اور دیبا کا لباس پہن لیا

رفتہ رفتہ عربی شاعری اهل اندلس کی گھٹی میں پڑ گئی اور امیر و فقیر ، شاہ وگدا ، خواص و عوام سبھی سخن گوئی و سخن فہمی میں شریک هو گئے ۔ اس صورت حال کا اظہار کرنے کے لئے

نکلسن نے قزوینی کی ,,آثار البلاد ،، کا ایک دل چسپ حوالہ دیا ہے (١٦) ۔ قزوینی کے هاں یہ اقتباس ,,شِلب،، کے تحت آیا ہے جس کے بارے میں اس نے وضاحت کی ہے کہ باجہ کے قریب اندلس کا ایک شہر ہے ۔ اصل عبارت یوں ہے :

,,من عجائبها ماذکره خلق لایُحصیٰ عددهم انه قلّ ان یُـری من أهل شِلب من لا یقول شعرا ولا یتعانی الادب ولو مررتَ بالحرّاث خلف فدّانه وسألتَه الشعر لَقرضَ فی ساعته ایّ معنی اقترحتَ علیه وایّ معنی طلبتَ منه صحیحا ،، (١٧) ۔

,,یہاں کے عجائب میں سے ایک ، جس کا ذکر لاتعداد لوگوں نے کیا ہے ، یہ ہے کہ اهل شلب میں خال خال هی کوئی هو گا جو شعر نہ کہتا هو اور ادب سے شغف نہ رکھتا هو ۔ تم اگر کسی هل چلاتے هوئے کسان کے پاس سے بھی گزرو اور اس سے شعر کی فرمائش کرو تو وہ فی الفور کسی بھی موضوع پر جو تم اسے تجویز کر دو یا کسی بھی مضمون پر جو تم اس سے طلب کرو، ٹھیک ٹھیک شعر کہہ دے گا ،، ۔

ایسی صورت حال میں ظاهر ہے کہ اس موضوع کا اجمالی احاطہ کرنے کے لئے بھی ایک ضخیم تصنیف درکار هو گی ۔ زیر نظر مضمون کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اندلسی شاعری کے امتیازی خدوخال اور انهی کے حوالے سے ترتیب زمانی کی پابندی کئے بغیر ، محض آزاد تلازمِ خیال کے تحت،چند سربرآوردہ شعراء کا ایک سرسری سا جائزہ لیا جا سکے جو قارئین کو اس موضوع پر مزید مطالعے کی تحریک بهم پہنچا سکے ۔

مجموعی طور پر اندلس کی شاعری ، بلاد مشرق میں هونے والی عربی شاعری هی کا ایک پرتو تھی ۔ شعر کے جو سانچے دور جاهلیت میں متعین هو چکے تھے بیشتر قرطبہ واشبیلیہ میں بھی اسیطرح غالب

رہے جس طرح بغداد و دمشق میں تھے ۔ روایت کی اس آہنی گرفت کو جو لفظ سے گزر کر مضامین و معانی تک پر اثر انداز ہوئی اور جس نے صدیوں تک عربی شاعری میں تازگئ احساس کو درآنے کا کم سے کم موقع دیا ، خلاّق ذہنوں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ۔ محبوب کے اجڑے ہوئے دیار پر کھڑے ہو کر اشک باری کا مضمون جو امرؤالقیس کے ,,قفانبک،، سے شروع ہوا تھا ، بعد کے شعراء کے لئے ایک فریضۂ مفروضہ بن کر رہ گیا ۔ ابو نو اس کی باغی طبیعت اس پر جھنجھلائی چنانچہ اس نے دیار محبوب کے کھنڈر پر ,,کھڑے ہونے ،، کی اس فرسودہ روایت پر یوں پھبتی کہی :

قُل لِمَنْ یبکِی علیٰ رسمٍ دَرَسْ
وَاقِفاً ، ما ضرَّ لو کانَ جَلَسْ (۱۸)

,,جو شخص مٹے ہوئے نشانات دیار پر ,,کھڑا ہوا،، رو رہا ہے اس سے کہو کہ وہ ,,بیٹھ،، بھی جاتا تو کوئی خاص مضائقے کی بات نہ تھی ،،

اندلسی شاعری کے بعض ناقدین کو بھی روایت کی اسی آہنی گرفت کا شکوہ رہا ہے ۔ معاصر ہسپانوی ناقد ,Garcia Gomez کی رائے میں (۱۹) اندلس کی عربی شاعری کی بیشتر اصناف سخن میں فکر اور جذبے کی سچائی کا فقدان پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح ,Schack کی رائے میں (۲۰) شعرائے اندلس کا بیشتر کلام شوکت الفاظ ، حسنِ آھنگ اور نیرنگئ خیال سے عبارت ہے جس میں ھمارے احساسات کو متاثّر کرنے سے زیادہ ھماری نگاھوں کو خیرہ کر دینے پر زور ہے اور اس اعتبار سے یہ شاعری آتش بازی سے مشابہ ہے جو اپنی چکا چوند دکھانے کے بعد تاریکی میں کھو جاتی ہے ۔ اس کی چمک دمک ذرا دیر کے لئے ضرور حواس پر چھا جاتی ہے لیکن وہ طبیعت پر دیرپا اثر نہیں چھوڑتی ۔

اندلسی شاعری ـ (بلکه من حیث الکل اس وقت کی تمام معاصر عربی شاعری) ـ پر یه تنقید قابل لحاظ ضرور ہے مگر اس میں ,,بیشتر ،، کا لفظ خصوصیت سے قابل لحاظ ہے ـ چنانچه هم دیکھیں گے که جس طرح اهل اندلسی کے مشرقی معاصرین میں خلاّق طبیعتوں نے روایت کے اس آهنی جنگلے پـر جابجا تازگئ احساس کے پھول کھلائے اسی طرح اهل اندلس کی طبیعت کی اُپج بھی تازه کاری سے یکسر عاری نه رهی اور انھوں نے روایت کی بنی بنائی شاهراهوں سے هٹ کر اظہار کی نئی راهیں اور هیئت و اسلوب کی نئی پگڈنڈیاں بھی نکالیں ـ علاوه ازیں مستشرقین کے زاویۂ نظـر سے مشرقی شعر و ادب میں جو چیز ,,روایت کا جمود ،، قرار پاتی ہے وه بسا اوقات مشرق کے اجتماعی لاشعـور کے ان اعمـاق سے ذوقـی لاتعلقی پر مبنی هوتی ہے جو اس روایت کے بطون میں مضمر هوتے هیں چنانچه ایک طرف غالب کی اس رائے کو سامنے رکھئے که

,,شاعر کا کمال یه ہے که فردوسی هو جائے ،، (۲۱)

اور دوسری طرف شاهنامۂ فردوسی پر ,, Edward Browne ،، کا تبصـره دیکھئے (۲۲) ـ

اندلس میں عرب ثقافت کا آغاز مشرق کے عرب تمدن کی تقلید سے هوا ـ انھوں نے وهاں کے شہروں کے نام تک مختلف بلاد شرقیه کے نام پر رکھے ـ چنانچه غرناطه کو دمشق ، اشبیلیه کو حمص ، شریش کو فلسطیـن اور جیان کو قِنسّرین کا نام دیا گیا ـ رفته رفته تقلید نے منافست کی صورت اختیار کر لی ـ چنانچه محلاّت ، باغات ، درس گاهوں ، اور مساجد وغیره کی کثرت میں وه اهل مشرق سے بازی لے جانے کے لئے کوشاں هوئے ـ یهی جذبه شعر و ادب اور موسیقی وغیره کی سرپرستی میں بھی کار فرما هوا ـ اندلس کے شعراء کو بلاد شرق

کے اساتذہ کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا اور انھی کے القاب اور کنیّتوں سے یاد کیا گیا ـ چنانچہ ابن زیدون کو بُحتری اور ابن ھانی کو المتنبی قرار دیا گیا اور ان لوگوں نے اپنے مسلک شعری میں شعرائے عبّاسی ھی کی پیروی بھی کی (۲۳) ـ مدح ، ھجو ، مرثیہ ، فخر و حماسہ ، خمریّات ، تغزّل اور منظر نگاری وغیرہ اصناف ، مشرق کی پیروی میں یہاں بھی اختیار کی گئیں ـ تاھم اھل اندلس کی زبان اھل مشرق کی طرح محکم نہ تھی اور اکثر قدیم اصناف میں ان کا کلام کلامِ مشارقہ کا ھم پلّہ نہ تھا ـ ھاں بعض اصناف مثلاً مناظر فطرت کا بیان ، اور مملکتوں کے زوال کا مرثیہ ایسی ھیں جن میں اندلسیوں نے اپنا خاص رنگ پیدا کیا اور مشارقہ پر بازی لے گئے ـ

مرثیے کی روایت تو باقی سب اصناف کی طرح مشرق ھی سے آئی تھی اور افراد کی موت پر انھی روایتی اسالیب میں رنج و غم کا اظہار کیا جاتا تھا جو شعرائے مشرق نے متعین کر دئے تھے ـ تاھم اندلس کی طوائف الملوکی کے زمانے میں مملکتوں کے پے بہ پے سقوط نے شعرائے اندلس کے دل میں درد مندی اور حب الوطن کے سچے جذبات کوکروٹ دی اور انھوں نے افراد سے بالاتر ھو کر اجتماعی مرثیے یا شہر آشوب کی صنف پیدا کی ـ ایسے مرثیوں میں یوسف بن تاشفین کے ھاتھوں بنو عبّاد اور بنو الأفطس کی مملکتوں کے زوال پر علی الترتیب ابن اللبّانہ اور ابن عبدون کے مرثیے نمایاں حیثیت رکھتے ھیں ـ تاھم سب سے زیادہ درد انگیز ، غالباً ابو البقاء الرّندی کا وہ نونیہ ہے جو اندلس کے بعض علاقوں پر عیسائیوں کے قبضے اور مسلمانوں کی بے دخلی سے متاثر ھو کر لکھا گیا ـ

ابن اللبّانۃ کا مرثیہ بنو عبّاد کے زوال اور معتمد کی اسیری اور اشبیلیہ سے مراکش کی جانب بے بسی کے سفر سے متعلق تھا ـ اندلسی

شعراء میں چونکہ معتمد کو خود ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے لہذا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کی شخصیت اور فن پر ایک اجمالی نظر ڈالتے چلیں ۔

ابو القاسم محمد بن عبّاد المعتمد علی اللہ (م ۴۸۸ ھ/۱۰۹۵ء) اپنے باپ المعتضد باللہ کے بعد اشبیلیہ و قرطبہ کا فرماں روا ہوا ۔ وہ طبعاً شاعر آدمی تھا اور اس پائے کا کہ بقول ابن الابّار ,,لم یکُ فی ملوکِ الاندلس قبلَه اشعرَ منه ،، (۲۴)۔ ,,شاہان اندلس میں اُس سے پہلے اُس سے بہتر شاعر کوئی نہ تھا ،، ۔ معتمد کی کمزوریاں وہی تھیں جو عموماً شعراء میں ہوتی ہیں اور یہی غالباً اس کے زوال کا سبب بھی بنیں ۔ لیکن اس کی فطرت بلند تھی۔وہ نہایت سخی بھی تھا اور شجاع بھی ۔ جب کبھی میدان جنگ میں تلوار اٹھانے کا موقع آیا اس نے پامردی کی مثال قائم کی ۔ حریر و پرنیاں کے ساتھ سیرتِ فولاد کا یہ امتزاج ایک دل کش امتزاج تھا ۔ چنانچہ معتمد کی شخصیت خاصی ہر دلعزیز شخصیت تھی ۔ شعر کا ذوق اسے ورثے میں ملا تھا ۔ بچپن ہی میں موذّن کی اذان سن کر اس نے ارتجالاً کہا تھا :

هذا المؤذِّنُ قد بدا بأذانِهِ
یرجو الرِّضا والعفوَ من رحمانِهِ
طُوبیٰ له من ناطقٍ بحقیقةٍ
اِن کانَ عقد ضمیرِهِ کلِسانِهِ (۲۵)

,,یہ موذن جو اپنی اذان کے ساتھ سامنے آیا ہے
اپنے ربِّ رحیم کی خوشنودی و مغفرت کا طالب ہے
یہ شاد و آباد رہے اس کی زبان سے بڑے سچے الفاظ نکل رہے ہیں

بشرطیکہ اس کے ضمیر کی تہوں میں بھی وھی کچھ ھو جو اس کی زبان پر ہے ،، ۔ معتمد کے شب و روز ، حسن و شباب ، صراحی و کتاب ، اور ندیمان باذوق و حاضر جواب سے عبارت تھے ۔ ایک روز دریا کی سیر کرتے ہوئے معتمد نے سطح آب پر ہوا سے پیدا ہونے والے تموّج کو دیکھا تو برجستہ یہ مصرع کہا:

صَنَعَ الـرِیْحُ مـن المـاءِ زَرَدْ

,,ھوا نے پانی پر زرہ سی بُن دی ہے ،،

اس کا شاعر وزیر ابن عمّار بھی ھمراہ تھا ۔ معتمد نے اس سے فرمائش کی کہ گرہ لگائے ۔ ابن عمّار نے بہت دماغ لڑایا مگر طبیعت نے راہ نہ دی ایک عورت قریب ھی کہیں بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی اس نے وھیں سے جواب دیا :

ایّ درعٍ لقتـالٍ لوجَمَـــدْ

,,کاش یہ یہیں جم جائے تو جنگ کے لئے کیا خوب زرہ ثابت ہو،، معتمد چونکا اور پہلی ھی نظر میں سو جان سے اس پر عاشق ھو گیا ۔ یہ خاتون ,,رُمیکیّہ ،، اس کی چہیتی ملکہ بنی اور اسے ھمیشہ معتمد کے دل و دماغ پر وھی تصرّف حاصل رہا جو نورجہاں کو جہاں گیر پر حاصل تھا ۔ رُمیکیّہ کا اصل نام ,,اعتماد،، تھا ۔ (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معتمد نے اپنا لقب اسی کے نام سے اخذ کیا) (۲٦) اعتماد کی ناز برداریوں کے سلسلے میں معتمد کے بعض عجیب واقعات منقول ھیں ۔ مثلاً یہ کہ ایک موقع پر اعتماد نے اشبیلیہ میں کچھ دودھ بیچنے والی بدّو عورتوں کو دیکھا کہ مشکیزوں میں دودھ بھرے پنڈلیوں تک پائنچے اُکسائے ، کیچڑ میں چل رہی ھیں ۔ اس پر اُس نے اس عجیب و غریب خواھش کا اظہار کیا کہ میں اپنی خواصوں کے جلو میں اسی طرح چلنا چاھتی ھوں ۔

معتمد نے کافور اور مشک و عنبر کے ڈھیر عرق گلاب میں گُندھوائے اور یہ ,,گارا،، محل میں بچھا دیا گیا ۔ پھر ابریشم کی ڈوریاں اور مشکیزے تیار کئے گئے اور اعتماد اور اس کی خواصوں نے اس ,,گارے،، میں چل کر یہ خواهش پوری کی ۔ (۲۷)

اِس دور میں معتمد کا کلام انہی آسائشوں کے گرد گھومتا تھا ۔ مثالیں اس کے دیوان میں دیکھی جا سکتی ھیں ۔ مگر اسے معلوم نہ تھا کہ کیا کیا سنگینیاں ان رنگینیوں کی گھات میں ھیں ۔ اسی زمانے میں عیسائی قوتوں نے ,,Alfonso،، کی سربراهی میں خود کو مجتمع کر لیا اور مسلمانوں کی طوائف الملوک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو دبا لیا ۔ بعض حالات ـــ جن کی تفصیل میں جانا باعث طوالت ہوُ گا ـــ ایسے پیش آئے کہ معتمد اس بات پر مجبور ہو گیا کہ مراکش میں مرابطین کے طاقتور سربراہ یوسف بن تاشفین سے مدد چاہے ۔ اس کے خیر خواهوں نے اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی لیکن اُس کا جواب ـــ جو اُس کی حمیّت اسلامی کا آئینہ دار ہے ـــ یہ تھا کہ ,,رَعْیُ الجِمالِ خیرٌ من رعْیِ الخنازیر،، (۲۸) ـ اونٹوں کا چرواها بنتا (یعنی یوسف بن تاشفین کی غلامی) سؤروں کا چرواها بننے (یعنی عیسائیوں کی غلامی) سے بہتر ہے ۔ علاوہ ازیں اس سلسلے میں غالباً مذهبی علماء وفقہاء کا دباؤ اس وقت اتنا زیادہ تھا کہ معتمد کے لئے اس رائے سے اختلاف شاید ممکن بھی نہ رہا ہو (۲۹) ۔

بہرحال یوسف بن تاشفین اندلس آیا اور زلاّقہ کی جنگ میں ,,Alfonso،، کو عبرت ناک شکست دے کر اُس نے اندلس پر عیسائی تسلّط کے امکانات کو کئی صدیاں پیچھے دھکیل دیا ۔ اس بار وہ اندلس کی پارہ پارہ حکومتیں جوں کی توں ان کے حکمرانوں کو سونپ کر واپس چلا گیا لیکن افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں کے مقابلے میں

اندلس کے شاداب علاقوں کی کشش نیز بعض مصاحبوں کے اکسانے نے اُسے دوسری بار اس عزم کے ساتھ اندلس کا رخ کرنے کی تحریک فراہم کی کہ وہ ان سب کمزور مسلمان حکمرانوں کو اندلس کی بساط سے ھٹا کر خود وھاں ایک مضبوط حکومت قائم کرے ۔ چنانچہ اس بار وہ ایک فاتح کی حیثیت سے آیا اور خود معتمد کو اُس سے جنگ کرنا پڑی ۔ اس جنگ میں معتمد کی پامردی وبےجگری تاریخ کے صفحات میں یادگار ہے (۳۰) ۔ لیکن مقدّر کا لکھا یہی تھا کہ اُس کی تیغ دودم اب اُس کی زنجیر بن جائے ۔ یوسف بن تاشفین نے اس کی جاں بخشی ضرور کر دی لیکن اسے پابجولاں طنجہ لے گیا ۔ جب اُسے اور اُس کے اھل خانہ کو سفینے میں سوار کیا جا رھا تھا ، اُس کے محب کنارے پر کھڑے زار و قطار رو رھے تھے ۔ (۳۱) ۔ بالآخر اسے اَغمات کے قید خانے میں ڈال دیا گیا جہاں سے نکلنا اُس کے نصیب میں نہ تھا ۔ سیاسی کشمکش کے دوران میں تین بیٹوں کا داغ معتمد کے سینے پر پہلے سے تھا ۔ اب اس کا بیٹا ابو ھاشم،چہیتی ملکہ اعتماد اور اس کی بچیاں در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے رہ گئیں ۔ ناز و نعم کی پلی ھوئی یہ شہزادیاں اب اجرت پر لوگوں کے لئے سوت کاتتی تھیں ۔

قید خانے میں معتمد نے جو شاعری کی وہ فنّی اعتبار سے اس کی بلند ترین تخلیقات سے عبارت ہے کیونکہ ذاتی احساس کی وہ کسک اس شاعری کی جان ہے جس کے فقدان کا شکوہ اندلسی شاعری کے بعض ناقدین کو رھا ہے ۔ ماضی کی بہار اور حال کے خار زار کا موازنہ اس کے نازک دل پر کیا کیا قیامت برپا نہ کرتا ھو گا ۔ ایک موقع پر اس نے کہا :

تبدَّلتُ من عزّ ظلِّ البُنود
بذُلّ الحديدِ وثِقَل القُيود
وكانَ حديدى سِناناً ذليقاً
وعَضْباً رقيقاً صقيلَ الحُدود
فقد صارَ ذاک وذا ادهماً
يعَضُّ بساقَىَّ عضَّ الاُسود (۳۲)

,,پرچموں کے سائے کی عزت کے عوض
مجھے لوہے کی ذلت اور بیڑیوں کی گرانی نصیب ہوئی
لوہا میرے لئے نیزے کی تیز انی
اور باریک ، صیقل شدہ دھاروں والی شمشیر برّاں سے عبارت ہوا کرتا تھا
اب وہ اور یہ دونوں ایک بیڑی میں ڈھل گئے ہیں
جو میری پنڈلیوں کو شیروں کی طرح چباتی ہے "

انھی اشعار کی ترجمانی اقبال نے ,,قید خانہ میں معتمد کی فریاد " کے عنوان سے یوں کی ہے :

اک فغاں بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تاثیر بھی
مردِ حُر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیماں ہوں ، پشیماں ہے مری تدبیر بھی
خود بخود زنجیر کی جانب کھچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
جو مری تیغ دو دم تھی اب مری زنجیر ہے
شوخ وبے پروا ہے کتنا خالق تقدیر بھی (۳۳)

قید و بند کی انھی صعوبتوں میں وہ لمحۂ جانگداز بھی آیا کہ عید

کے روز اس کی بیٹیاں سلام کی غرض سے قید خانے میں حاضر ہوئیں ان کی زبوں حالی اور بوسیدہ لباس دیکھ کر معتمد کا دل پھٹ کر رہ گیا ۔ یہ اشعار انہی تاثرات کے امین ہیں ۔

فیمـا مضٰی کنتَ بالاَعْیادِ مَسرورا
فساءکَ العیدُ فی اَغمات مأسُورا
تری بَناتِـک فی الاَطْمـارِ جائعـةً
یغزِلْنَ للنّـاسِ ، لا یملِـکْنَ قِطْمِیـرا
برزنَ نحـوَک للتسلیـم خاشعـةً
اَبصـارُ هُنّ ، حسیـراتٍ مکاسـیَرا
یطـأنَ فـی الطیـنِ والاَقـدامُ حافیـةٌ
کاَنّهـا لم تطـأ مِسـکاً و کافُورا
قـد کانَ دهـرکَ اِنّ تأمُـره ممتثِلاً
فَـردَّک الدّهـرُ مَنهیّـاً و مأمُورا
من باتَ بعـدَک فِـی مُلکِ یُسَرّبِهِ
فَاِنّمـا باتَ بِالاَ حْـلامِ مَغْـرُورا (۳۳)

,,ایک زمانہ تھا کہ عیدیں تیرے لئے خوشیاں لایا کرتی تھیں
ایک وقت یہ بھی ہے کہ اغمات کی اسیری میں عید تیرے دل پر بار ہے
تو اپنی بیٹیوں کو بھوک کی کیفیت میں چیتھڑوں میں ملبوس دیکھتا ہے
وہ لوگوں کے لئے سوت کاتتی ہیں اور ان کی گرہ میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں وہ تیرے پاس اس کیفیت میں سلام کو حاضر ہوئی ہیں
کہ ان کی نگاہیں نیچی اور تھکی تھکی اور جھکی جھکی ہیں
وہ ننگے پاؤں مٹی پر قدم رکھ رہی ہیں ۔
یوں لگتا ہے کہ یہ قدم کبھی مشک و کافور پر نہیں چلے تھے

وہ دن بھی تھے کہ تو اپنے زمانے کو اگر حکم دیتا تھا تو وہ اسے بجا لاتا تھا
اب زمانے نے تجھے اس حال کو پہنچا دیا کہ جب چاہے تجھے روک دے اور جب چاہے اپنے حکم پر چلائے ۔
تیرے بعد جو کوئی کسی بادشاہی میں خوش ہو کر شب بسری کرتا ہے تو فقط خوابوں کے فریب میں رات گزارتا ہے "

معتمد کو اس بند غم سے نجات قید حیات کے ختم ہونے پر ھی نصیب ہو سکی ۔ جب اشبیلیہ کے خواب بالآخر اغمات میں پیوند زمیں ہو گئے ۔

سو یہ تھی دولت بنی عبّاد کے زوال کی وہ اندوھناک داستان جس پر ابن اللبّانہ نے وہ مرثیہ کہا جس کا مطلع ہے :

تَبْكِي السّماءُ بِمُزنٍ رائحٍ غَادِ
على البَها لِيْلِ من ابناءِ عبّادِ (۳۵)

,,آسمان صبح و شام ابر باراں سے آنسو بہاتا ہے
بنو عبّاد کے جامع صفات سرداروں پر "

دوسرا مشہور مرثیہ ابن عبدون کا ہے جو بنو الافطس کے زوال پر کہا گیا :

ألدّهرُ يفجعُ بعدَ العَيْنِ بِالاَثَرِ
فما البُكَاءُ عَلَى الاَشْبَاحِ والصُّوَرِ (۳٦)

,,زمانہ اصل کے بعد اُس کی رھی سہی نشانیوں کا صدمہ بھی دکھاتا ہے
سو پر چھائیوں اور تصویروں پر آہ وبکا سے کیا حاصل ہے ؟"

اجتماعی مرثیوں کے سلسلے کی تیسری اور شاید سب سے زیادہ موثّر مثال ابو البقاء الرُّندی کا وہ مرثیہ ہے جس کی طرف پہلے اشارہ ہو

چکا ۔ یعنی وہ نونیہ جو اس نے بعض بلاد اندلس پر عیسائیوں کے تصرّف اور مسلمانوں کی بے دخلی کے غم میں کہا :

لِکل شئیٍ اذاَ مَاتَـمّ نُقْصَانُ
فلا یُغَرَّ بِطِیـبِ العَیْشِ اِنْسَـانُ
هِیَ الاُمُـوُر کَمَـا شَاهَـــدتَّهَـا دُوَلٌ
مَنْ سَـرَّهُ زَمَـنٌ سَـاءَتْهُ اَزْمَـانُ (۳۷)

,,هر شے جب کمال کو پہنچ جائے تو پھر اس کے لئے زوال مقدّر ہے سو کوئی شخص آسودگئی حیات کے فریب میں نہ آئے
یہ معاملات زیست، جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو، آتی جاتی ھیں
ایک گھڑی کا سُکھ اگر کسی کو ملتا ہے تو کتی گھڑیوں کا دُکھ اسے جھیلنا پڑتا ہے "۔

اس مرثیے میں دیار اسلام کے اجڑنے اور کفّار کے غلبے کی تصویر شاعر نے اشک خون آلود سے یوں بنائی ہے :

حیثُ المساجدُ قد صارتْ کنائسَ ما
فیهنّ الاّ نواقیسٌ وصُلبانُ
حتّی المحاریبُ تبکی وهی جامدةٌ
حتّی المنابرُ ترثِی وهی عیدانُ
بالاَمْسِ کانوا ملوکاً فی منازِلِهم
والیومَ هُم فی بلادِ الکُفرِ عُبْدانُ
ولورأیتَ بُکاهُم عند بَیْعِهِم
لهَالَک الامرُوَ استَهوتْکَ اَحزانُ
یارُبَّ اُمِّ وطفلٍ حِیْلَ بینهُما
کمَا تفَرَّقُ اَرْواحٌ و اَبْدانُ

وطفلةٍ مثلَ حُسْنِ الشَّمسِ اذطلعَتْ
كانَّمَا هي ياقُوتٌ ومرْ جَانُ
يقودُها العِلْجُ لِلْمكروهِ مُكْرَهةً
والعينُ باكيةٌ والقلبُ حيرانُ
لمثلِ هذا يذوبُ القلبُ من كَمَدٍ
اِن كان فی القلبِ اسلامٌ وايمانُ (۳۸)

,,جہاں مسجدیں گرجوں میں تبدیل ہو چکی ہیں
ان میں ناقوسوں اور صلیبوں کے سوا کچھ نہیں
محرابیں تک گریہ و زاری کرتی ہیں حالانکہ وہ ایک وجود جامد ہیں
منبر تک مرثیہ خواں ہیں حالانکہ وہ محض چوب خشک ہیں
(مسلمان) کل تک اپنے گھروں میں بادشاہ تھے
اور آج وہ بلاد کفر میں غلام ہیں
جس وقت انہیں فروخت کیا جاتا ہے اس وقت اگر تو ان کی آہ و بکا کو دیکھے تو یہ صورت حال تیرا دل ہلا دے اور غم و اندوہ تیرے ہوش اڑا دیں
کتنی مائیں اور بچے ہیں جن کے درمیان سنگینئ حالات حائل ہو گئی یوں جیسے روحوں کو جسموں سے جدا کر دیا جائے
کتنی بچیاں ہیں ، چڑھتے سورج کی طرح حسین
یوں گویا وہ یاقوت اور مرجان ہوں
کافر بے دین انہیں ناپسندیدہ صورت حال کی طرف زبردستی لئے جاتا ہے جبکہ آنکھ اشک بار ہے اور دل سرگشتہ و حیران ہے
یہ ایسی صورت حال ہے کہ غم و اندوہ سے دل اس پر پگھلا جاتا ہے

اگر دل میں کہیں اسلام اور ایمان کی رمق باقی ہو »
سقوط ممالک پر اجتماعی مرثیے یا شہر آشوب کی یہ روایت جس کا آغاز اندلس کے المیوں سے ہوا بعد میں بھی باقی رہی چنانچہ سقوط بغداد پر سعدی نے بڑا درد انگیز نوحہ لکھا :

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین (۳۹)

قریب کے زمانے میں حالی نے دھلی مرحوم کی بڑے دل گداز انداز میں مرثیہ خوانی کی

تذکرہ دھلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ھر گز (۴۰)

اور اقبال کو جب صقلّیہ (جزیرہ سسلی) میں تہذیب حجازی کا مزار نظر آیا اور انھوں نے اپنے دیدہ خونتابہ بار کو دل کھول کر رونے کی دعوت دی تو انھوں نے اجتماعی مرثیے کی اس روایت کے تسلسل کی طرف اشارہ بھی کیا :

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر
آسماں نے دولت غرناطہ جب برباد کی
ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی
غم نصیب اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چُن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا (۴۱)

اجتماعی مرثیے کے علاوہ جس صنف سخن میں شعرائے اندلس نے اپنا خاص رنگ نکالا وہ وصف (Descriptive Poetry) ہے۔ جنگی معرکوں کی منظر کشی ، سیر و شکار کی منظر کشی ، مجالس لھو و لعب اور بزم ھائے جام و طرب کی منظر کشی وغیرہ وغیرہ مضامین

میں انھوں نے اپنے دقیق مشاھدات کو پیکر شعر میں ڈھالا لیکن اس میدان میں سب سے بڑھ کر جہاں ان کے جوھر کھلے وہ مناظر فطرت کا بیان تھا جس میں وہ اھل مشرق پر بازی لے گئے ۔ سبزۂ و آب رواں، اشجار و طیور، چاند ستارے، محلاّت اور اُن کی آرائش و زیبائش جیسے موضوعات پر ان کے قلم نے مُوقلم کی سی باریکی دکھائی اور یہ اندلس کی حسین و جمیل فضاؤں کا طبعی تقاضا تھا ۔ وصفیہ شاعری کے اس عظیم الشان ذخیرے سے انتخاب اور پھر اس کی چند نمائندہ مثالیں پیش کرنا بھی اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہ ھو گا ۔ ابن خفاجہ ابراھیم بن ابی الفتح (م ۵۳۳ ھ ۱۱۳۸ء) کو چونکہ ,,وصف الطبیعۃ،، یعنی مناظر فطرت کی عکاسی میں نمایاں حیثیت حاصل ہے اس لئے اس کے چند اشعار پر نظر ڈالتے چلیں کہ آب رواں کی تصویر اس نے کس چابکدستی سے بنائی ہے اور اس میں کیا کیا رنگ صرف کئے ھیں :

متعطّف مثل السِّوارِ كأنّه
والزَّهْرُ يكنفه ، مجرُّ سمـــاءِ
قدرَقّ حتى ظُنَّ قُرصـــاً مُضرغاً
مِن فِضّةٍ فی بُردةٍ خَضراءِ
وغدَتْ تَحُفُّ به الغصـونُ كأنّها
هُدُبٌ يَحُفُّ بِمُقلةٍ زَرقـــاءِ
والرِّيحُ تَعْبَثُ بالغُصُونِ وقد جَرَى
ذَهَبُ الأَصيلِ عَلى لُجَينِ الماء (۳۲)

,,کنگن کی طرح بل کھایا ھوا
پھولوں میں گھرا ھوا (یہ پانی)
یوں لگتا ہے جیسے آسمان کی کہکشاں

اس درجہ لطیف کہ سانچے میں ڈھلا ہوا چاندی کا ایک تھال
معلوم ہوتا ہے
جو ایک سبز چادر پر دھرا ہوا ہو
ڈالیاں اس کے گردا گرد یوں ہجوم کئے ہوئے ہیں
جیسے نیلگوں حلقۂ چشم کے گرد پلکیں ہوں
اور ہوا ٹہنیوں سے اٹکھیلیاں کر رہی ہے
جبکہ شام کا سونا پانی کی چاندی پر رواں ہے "

ابن خفاجہ ہی نے ایک اور موقع پر اندلس کی فضاؤں کو یوں خراج پیش کیا تھا :

يا اهلَ اَندَلُسٍ لِلّٰهِ دَرُّكُم مَاءٌ وظِلٌّ و اَنهَارٌ و اَشجَارُ
مَاجَنَّةُ الخُلدِ اِلاَّ فِی دِيَارِكُم وَلَوْ تُخُيِّرتُ هذا كنتُ اَختَارُ (۳۳)

"اے اہل اندلس تمہارے کیا کہنے ہیں پانی اور سایہ اور دریا
اور درخت
باغ خُلد اگر کہیں ہے تو تمہارے دیار میں ہے
مجھ سے اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار
کروں تو میں اِسی کو اختیار کروں "

اگر فردوس برروئے زمین است
ہمیں است وہمین است وہمین است

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو یہاں علی بن حصن کے وہ شعر بھی نقل کرنے کے لائق تھے جس میں اس نے شاخ پر بیٹھے ہوئے فاختہ کے بچے کے بال و پر کے ایک ایک ریشے کی زندگی سے بھر پور تصویر بنائی ہے یا ابن شہید کے وہ اشعار جن میں اس نے ابروباراں کی منظر کشی کی ہے یا ابن زیدون کا وہ قصیدۂ قافیہ جو اس نے مدینۃ الزہراء میں ولاّدہ کی یاد میں لکھا ۔ ابن زیدون اور ولاّدہ کا ذکر آ گیا ہے تو

اب ضروری ہے کہ ایک مختصر سی ملاقات ان دونوں سے ہو جائے کہ ان کے ذکر کے بغیر اندلسی شاعری کا تذکرہ نامکمل اور بے کیف ہے۔

ابو الولید احمد بن عبداللہ ، ابن زیدون (م ۴٦۳ ھ/ ۱۰۷۱ ء) بعض نقّادوں کی رائے میں اندلس کا سب سے بڑا شاعر تھا ۔ جس زمانے میں اس نے نشوونما پائی وہ اندلس میں سخت سیاسی خلفشار کا زمانہ تھا ۔ جو بالآخر ابن زیدون کے وطن قرطبہ میں ابو الحزم ، ابن جَھْوَر کی بالادستی پر منتج ہوئی ۔ حسن اتفاق سے ابن زیدون کا شمار ابن جھور کے حامیوں میں ہوتا تھا اور اُس کے بیٹے ابو الولید سے اس کے دوستانہ روابط تھے ۔ نتیجہ یہ کہ ابن زیدون — جو بیس برس کی عمر ھی سے اپنے ملکہ شعر گوئی کا لوھا منوا چکا تھا ۔ اب سیاسی اھمیت سے بھی بہرہ یاب ہوا ۔ ابن جھور نے اسے قلمدان وزارت سونپا اور سفارت کا کام بھی لیا ۔ معلوم یہ ھوتا تھا کہ وہ دنیوی کامرانیوں کے زینے بڑی تیزی سے طے کرے گا کہ عشق کے اندھے صیّاد نے اپنا تیر اس پر چلایا اور وہ ولاّدہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر ھو گیا ۔

ولاّدہ ، اپنے دور کی قتّالۂ عالم ، ایک سابق خلیفہ المستکفی کی بیٹی تھی ۔ حسن و جمال کے علاوہ وہ ذھانت و فطانت اور شعر گوئی و ادب شناسی میں یکتا تھی ۔ پروفیسر حِتّی نے اسے ,,ھسپانیہ کی سیفو ،، قرار دیا ہے (۳۴) ۔ قرطبہ میں اس کا مکان شعراء و ادباء کا مرجع تھا ۔ المقّری کے بقول تمامتر ظاھری بے حجابانہ انداز کے باوصف ، اس کی عفّت مسلّم تھی (۳۵) ۔ تاھم اگر وہ بعض اشعار جو خود مقّری نے اس سے منسوب کئے ھیں واقعی اُس کے ھیں تو کم از کم گفتار کی حد تک اس کی بے حجابی فحش گوئی کو جا پہنچتی تھی (۳٦) ۔ بطرس البستانی کے تخیّل نے ولاّدہ کی تصویر خوب بنائی ہے :

,,وكانت ولاّدة اديبة مثقفة تميل الى الادباء وتعاشرهم وماجنة لعوبا تعبث بالقلوب و تحطمها ، تمنح مودّتها لمن تشاء و تستردّها متى تشاء ، فلم تكن فى ودّها كاذبة ، ولا فى رجوعها عنه غادرة وانما هو طبعها المرح الهازئ يستلذّ خفقان القلوب فتتبدّل واحدا بعد آخر كما تنقّل الفراشة من زهرة الى زهرة ،، ـ (۳۷)

,,ولاّده ایک شائسته ادیبه تهی ـ ادیبوں سے دل چسپی اور ان سے میل جول رکھنے کا اس میں رجحان تھا ـ بے باکانه دل لگی اور هنسنا کھیلنا اس کی طبیعت کا حصه تها ـ وه دلوں سے کھلونوں کی طرح کھیلتی تھی اور انھیں توڑ ڈالتی تھی ـ جسے چاهتی اپنی محبت سے شاد کام کرتی اور جب چاهتی یه عنایات واپس لے لیتی ـ نه وه اپنی محبت میں جھوٹی تھی اور نه اس سے پھر جانے میں بے وفائی کو دخل تها ـ بس اس کی چونچال ، هنسوڑ سرشت کا تقاضا هی یه تها که دلوں کو تڑپانے میں اُسے مزا آتا تها چنانچه وه یکے بعد دیگرے نئے سے نئے دل پر کمند ڈالتی رهتی تهی جیسے کوئی تتلی ایک پھول سے اڑ کر دوسرے پر جا بیٹھتی ہے ،، ـ

ولاّده ابن زیدون پر بھی مهربان هوئی چنانچه کها جاتا ہے که اُس نے ابن زیدون کے نام ایک موقع پر یه پیغام بھیجا :

ترقّبْ اذا جنَّ الظلامُ زيارتى

فانّى رأيتُ الليلَ اكتمَ للسِرّ

وبى منک ما لوكان بالبدرِ ما بدا

وباللیلِ ، ما ادجیٰ وبالنَّجمِ لم یَسْرِ (۳۸)

,,جب اندهیرا خوب چھا جائے تو میری ملاقات کا منتظر رهنا کیونکه میں نے دیکھا ہے که رات کا وقت راز داری کے لئے زیاده موزوں ہے تیرے سبب سے میری جو کیفیت ہے اگر مه کامل کی

ہوتی تو وہ جلوہ گر نہ ہو سکتا اور اگر رات کی یہ کیفیت ہوتی تو تاریک ہونا اس کے لئے ممکن نہ رہتا اور اگر ستارے کی ہوتی تو سفر شب اس کے لئے دشوار ہو جاتا۔

ادھر وزیر ابو عامر ابن عبدوس بھی ولاّدہ کے دلدادگان میں تھا ۔ اور ولاّدہ کی عنایات سے سراسر محروم بھی نہ تھا ۔ ابن زیدون کا دل رقابت کی آگ میں جلتا تھا مگر مجبور تھا ۔ وزیر ابن عبدوس کے لقب ,,الفار " (چوھا) سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے اپنے دل کو یوں سمجھایا :

عیّر تُمونا بِاَنْ قد صـــار یخلفنـــا
فی من نُحِبّ ، ومـــا فی ذاک من عارِ
اَکَلٌ شَہِیٌ، اصَبْنَا مـــن اَطَایِبِہِ
بعضاً ، وبعضاً صفَحْـــنا عنـــہُ للفـــارِ (۴۹)

,,تم نے ہمیں یہ طعنہ دیا ہے کہ یہ شخص ہمارے بعد ہمارے محبوب کے پاس ہوتا ہے۔ اس میں عار کی کیا بات ہے
ایک لذیذ غذا تھی جس کے بعض صاف ستھرے حصے ہمارے تصرّف میں آئے اور بعض حصے ہم نے خود ھی ,,چوھے" کے لئے چھوڑ دئے " ۔

اسی رقیبانہ چپقلش میں ابن زیدون نے ولاّدہ کی زبانی ابنَ عبدوس کے نام وہ مشہور مکتوب لکھا جو ,,رسالۃ ابن زیدون " کے نام سے اندلس کے نثری ادب میں یادگار ٹھہرا اور بعد کے زمانوں میں کئی ادیبوں نے اس کی شرح لکھی ۔ یہ مکتوب ، نادر ادبی تلمیحات کا ایک مرقّع تھا جن کے حوالے سے ابن عبدوس پر سخت کیچڑ اچھالی گئی تھی ۔اس کشمکش کے نتیجے میں ابن عبدوس نے ابن زیدون کے بعض اور مخالفین سے ساز باز کر کے ابو الحزم ابن جَھْور کو اس سے

بدگمان کر دیا ـ چنانچہ اس نے ابن زیدون کو جیل میں ڈلوا دیا ـ ابن زیدون نے امیر ابن جہور کے نام بہت سے قصیدے مدح و شکایت کے لہجے میں لکھے ـ اُس کے بیٹے ابو الولید کو درمیان ڈالنا چاہا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور کئی برس اُس قیدوبند کی صعوبت جھیلنا پڑی زنـدان کے انہی تلخ ایام میں وہ شاعری بھی تخلیق ہوئی جو ولاّدہ کی شیریں یادوں سے عبارت تھی ـ

اس کے بعد کے واقعات میں اختلاف ہے ـ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ابو الولید نے بالآخر ابن زیدون سے حق دوستی نبھایا اور باپ سے سفارش کر کے اسے زنداں سے نکلوایا ـ بعض کا خیال ہے کہ وہ خود قید خانے سے فرار ہو گیا ـ ہاں اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ اس فرار میں ابو الولید نے اسے مدد دی ہو ـ کچھ عرصہ وہ قرطبہ ھی میں روپوش رہا اور ولاّدہ کی یاد میں پر سوز شاعری کرتا رہا ـ اسی اثناء میں ابو الحزم ابن جہور کا انتقال ہو گیا اور ابو الولید نے خود مسند امارت سنبھال لی ـ اب پھر ابن زیدون کے دن پھرے اور پرانی حیثیت بحال ہوئی ـ اس سے سفارت کا کام لیا گیا اور جہاں جہاں وہ گیا اس نے بہت اچھا تاثّر چھوڑا ـ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ درمیان میں کچھ عرصے کے لئے ابو الولید بھی اس سے بدظن و سرگراں ہو گیا لیکن جلد ھی یہ گرہ جاتی رہی ـ تاہم گمان گزرتا ہے کہ شاید خود ابن زیدون کے آئینہ دل پر کچھ غبار رہ گیا ـ چنانچہ رفتہ رفتہ اس نے اپنے سفارتی اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر اشبیلیہ کے حکمران ـ معتمد کے والد ــ عبّاد بن محمد المعتضـد باللہ سے تعلقات استوار کر لئے اور قرطبہ کو چھوڑ کر ــ جو ولاّدہ کے بعد اس کے لئے دوسری عزیز ترین چیز تھی ـ المعتضد ھی کے دربار میں منتقل ہو گیا ـ عین ممکن ہے کہ اس میں ولاّدہ کے ہر جائی پن اور اس کی

سرد مہری کو بھی دخل ہو کیونکہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اُس عشق کا منطقی انجام کیا ہوا ـ

اشبیلیہ میں ابن زیدون نے اچھے دن دیکھے ـ وہ معتضد کی مدح میں قصائد کہتا رہا ـ معتضد نے اس سے دوستانہ سلوک رکھا اور اسے بیک وقت وزارت عظمی وسالاری افواج کے مناصب سونپ کر ,,ذوالوزارتین " ,,دو وزارتوں والا " ـــ (یعنی وزارت سیف وقلم) کا خطاب دیا ـ معتضد کے بعد معتمد نے بھی اس کے ساتھ یہی حسن سلوک برقرار رکھا اور اس کے فن کی بڑی قدردانی کی ـ دونوں باہم جو ادبی حظ اٹھاتے تھے اس کا ایک نمونہ وہ منظوم پہیلیاں ہیں جو وہ ایک دوسرے کو بھیجتے تھے اور پھر ان کا حل بھی نظم میں پیش کیا جاتا تھا ـ یہ پہیلیاں دیوان معتمد کے حصہ ,,المعمّیات " میں دیکھی جا سکتی ہیں (۵۰) ـ

ابن زیدون کو قرطبہ سے جو عشق تھا شاید اسی کے سبب وہ رفتہ رفتہ معتمد پر اثر انداز ہوا اور اسے عملاً قرطبہ پر لشکر کشی کر کے اسے بنو جہور سے چھین لینے پر آمادہ کر لیا ـ اب معتمد کا دربار عارضی طور پر قرطبہ منتقل ہو گیا اور ابن زیدون اپنی فردوس گم گشتہ مین واپس پہنچ گیا ـ شاید یہ اس کی زندگی کا آسودہ ترین زمانہ تھا جس میں گرتی ہوئی صحت اور ولاّدہ کی یاس انگیز یادوں کے سوا غالباً اور کوئی چیز خلل انداز نہ تھی ـ لیکن سات آسمان رات دن گردش میں ہیں اور ابن آدم کو خبر نہیں ہوتی کہ یہ گردش کہاں اس کے لئے کیا جال بُن رہی ہے ـ معتمد کے قرب ، سیاسی وجاہت، ادبی حیثیت اوز قرطبہ کو واپسی یہ سب ایسی نعمتیں نہ تھیں کہ بعض دلوں میں حسد کا کانٹا بن کر نہ چبھتیں ـ معتمد کا دوسرا شاعر دوست اور سیاسی معتمد ، ابوبکر بن عمّار اور ابن مرتین

درپردہ اس حسد میں پیش پیش تھے۔ شومیٔ قسمت سے اشبیلیہ میں انھی دنوں مسلمانوں اور یہودیوں میں فساد ہو گیا ۔ معتمد نے اس فتنے کو دبانے کے لئے اپنے بیٹے الحاجب سراج الدولہ کو ایک لشکر کی کمان دے کر قرطبہ سے اشبیلیہ روانہ کیا اور اس کے ہمراہ کچھ علماء اور بعض سر برآوردہ لوگوں کا ایک وفد بھی بھیجا ۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن عمّار اور ابن مرتین نے معتمد کو مشورہ دیا کہ ابن زیدون کو اشبیلیہ میں خاصا اثر و رسوخ حاصل ہے لہذا اسے بھی اس وفد میں شامل کرنا مناسب ہو گا ۔ معتمد کے حکم پر چار و ناچار اسے یہ سفر اختیار کرنا پڑا جو اس کی گرتی ہوئی صحت کے سبب اس کی زندگی کا آخری سفر ثابت ہوا ۔ وطن کی خاک میں شاید کچھ ایسی کشش نہ تھی ۔ چنانچہ وہ اشبیلیہ ہی میں مدفون ہوا ۔ قرطبہ سے دور جس کا وہ عاشق زار تھا اور جس کی یاد میں اس نے ایام اسیری کے دوران اپنی مشہور طویل مخمّس کہی تھی :

اقرطبةُ الغرّاءُ هــل فيكِ مَطْمَعُ
وهَلْ كبِدٌ حَرّى لبَيْنِكِ تَنْقَعُ
وهل لِلَيَا لِيک الحمــيدةِ مَرجِعُ
اِذِ الحُسنُ مَرْأىً فيكِ و اللَّهْوُ مَسْمَــعُ
و اِذ كَنَفُ الدنيا لديكِ مُوطَّــأُ
نهارُكِ وضّاحٌ وليلُكِ ضِحْيَانُ
وتربُكِ مصبوحٌ وغُصنُكِ نَشْــوَانُ
وارُضكِ تُكْسى حينَ جَوُّكِ عُــريانُ
ورَيّاكِ رَوْحٌ للنفوسِ ورَيحــانُ
وحسبُ الاَمَانِي ظلُّكِ المُتَفَيّــأُ (۵۱)

,,اے حسین و درخشاں قرطبہ کیا تیری آرزو کرنے کی گنجائش

هنوز باقی ہے
اور کیا اس جگر کی پیاس بجھنے کا کوئی امکان ہے جو تیری جدائی کے سبب تشنہ ہے
اور کیا تیری مرغوب و پسندیدہ راتیں پلٹ کر آ سکتی ھیں ۔
کہ جب تجھ میں حسن جنت نگاہ تھا اور ھنسی دل لگی کی باتیں فردوس گوش اور جب دنیا تیری فضاؤں میں ھموار و سازگار تھی ۔
جب تیرے دن چمکیلے تھے اور راتیں بے ابر
اور تیری خاک صبوحی پئے ھوئے تھی اور تیری شاخ سرمست
اور تیری زمین لباس (سبزہ) میں مستور تھی جبکہ تیری فضا بے لباس تھی اور تیری مہکار دلوں کے لئے راحت ورزق کی حیثیت رکھتی تھی
اور تیرے سائے کی پناہ ، آرزووں کا منتہائے مقصود تھی "

ابن زیدون کی شاعری میں مدح ،مرثیہ ، عشقیہ کلام اور گلۂ دوستانہ کی اصناف زیادہ نمایاں ھیں ۔ شعرائے اندلس میں ، ممکن ہے ، مخمّس گوئی میں اولیت اسے حاصل ھو لیکن مشرق میں اس صنف کے بعض نمونے پہلے سے موجود بتائے جاتے ھیں مثلاً بشّار بن بُرد کے مخمسّات جو اس نے محض دل لگی کے طور پر کہے ۔ (۵۲) لہذا ابن زیدون کو مخمّس کا موجد قرار دینا مشکل ہے ۔ اس کی شاعری کا بہترین حصہ وہ تصور کیا گیا ہے جو اس نے ایام اسیری میں یا قرطبہ کے فراق میں یا ولاّدہ کی یاد میں تخلیق کیا ۔ زندان سے فرار کے بعد اس نے ولاّدہ کے نام ایک نونیہ قصیدہ لکھ کر بھجوایا تھا ۔ Garcia" ,,Gomez کی رائے میں ,,یہ اندلسی مسلمانوں کی لکھی ھوئی سب سے خوبصورت عشقیہ نظم ہے (۵۳) . . . ۔ " اسی کے چند منتخب اشعار پر

ہم ابن زیدون کا تذکرہ ختم کرتے ہیں (اشعار کی ترتیب میں ہم نے کچھ تقدیم و تاخیر سے کام لیا ہے) :

حالَتْ لفقدِ کُمُ ایّامُنافغدَتْ
سُوداً وکانت بِکُم بِیضاً لیا لِیْنا
اذ جانبُ العیشِ طَلْقٌ مِنْ تالّفِنا
وموردُ اللَّھْوِ صافٍ من تَصَافِیْنا
واذھصرْنَا غصونَ الانس دانیَۃً
قطوفُھا، فجَنَیْنَا منہ ما شِیْنا
انّ الزمانَ الذی ما زالَ یُضحِکُنَا
اُنساً بِقُربِکُمْ قد عَادَ یُبْکِیْنا
غِیْظَ العِدیٰ من تَساقِیْنا الھویٰ فدَعَوا
بِاَنْ نَغُصَّ فقالَ الدّھرُ آمِیْنا
کاَنَّنَا لم نَبِتْ والَوصْلُ ثالِثُنا
والسَّعْدُ قد غضَّ مِن اَجفانِ وَاشِیْنا
سِرّانِ فی خاطِرِ الظَّلْمَاءِ یَکْتُمُنا
حتّٰی یکادَ لسانُ الصّبْحِ یُفشِیْنا
لاتحسَبُوا نأیَکُمْ عنّا یُغَیّرُنا
انْ طالَمَا غیَّرَ النَّأْیُ المُحِبِّیْنَا
واللہِ ماطَلَبَتْ اھوۤنا بدلاً
منکُم ولا انصَرَفتْ عنکُم اَمَانِیْنا (۵۳)

..تم کیا بچھڑے ہمارے دن ہی پلٹا کھا گئے اور سیاہ فام ہو گئے حالانکہ تمہارے ہونے سے ہماری راتیں بھی درخشاں ہوا کرتی تھیں وہ زمانہ کہ جب ہماری یکجائی کے سبب پہلوئے زیست خوشگوار تھا اور ہمارے دلوں کی صفائے باھمی کے باعث

چشمۂ لطف و طرب صاف شفاف تھا

جب ہم نے انس و محبت کی ڈالیوں کو ، جن کے پھل ہماری دسترس میں تھے ، اپنی طرف جھکایا اور اپنی امنگوں کے مطابق جی بھر کر خوشہ چینی کی وہی زمانہ جو اب تک ہمیں تمھارے قرب مانوس میں ہنسایا کرتا تھا

اب ہمیں رُلانے لگا ہے

ہمیں باہم جام محبت پیتے پلاتے دیکھ کر دشمنوں کے دل میں آتش غیظ بھڑک اٹھی انھوں نے بددعا دی کہ (اس جام سے) ہمیں پھندا لگ جائے ؛ تو زمانے نے اس پر آمین کہا

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم دونوں نے وہ راتیں کبھی نہیں گزاریں جن میں اگر کوئی تیسرا تھا تو وہ خود ,,وصال ،، تھا

اور بخت سازگار نے ہمارے بدخواہ کی نگاہیں نیچی کر رکھی تھیں ہم دونوں شب تاریک کے ضمیر میں دو رازوں کی طرح ہوتے تھے جنھیں وہ پوشیدہ رکھتی تھی

تاآنکہ صبح کی زبان اُن کے افشا پر آمادہ ہو جاتی تھی

یہ گمان دل میں نہ لانا کہ تمھاری جدائی سے ہماری محبت میں کچھ فرق آ سکے گا

گو بسا اوقات جدائی سے عاشقوں کی محبتیں متاثر ہو جاتی ہیں

بخدا ، ہماری محبتوں نے تمھارا کوئی بدل تلاش نہیں کیا

اور نہ ہماری آرزوؤں کا رخ تمھاری طرف سے پھرا ہے ، ۔

اندلس کا ایک اور قابل ذکر شاعر محمد ، ابن ہانی (م ۳٦۲ هـ/۹٦۳ ع) ہے جسے ,,متنبیؔ الغرب ،، ,,مغرب کا متنبّی ،، کہا جاتا ہے ۔ اس کی پیدائش عبدالرحمان الثالث کے دور میں اشبیلیہ میں

ھوئی ـ تعلیم قرطبه میں پائی عربی شاعری کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اس کے حافظے میں محفوظ تھا ـ عقیدۃً غالی شیعه تھا اور عملاً لذّت پرست ـ عقلاً اس کا میلان فلسفیانه افکار کی طرف تھا ـ انہی اسباب سے اشبیلیه میں فضا اس کے خلاف ھو گئی ـ امیر اشبیلیه چونکه اس پر مہربان تھا لہذا وہ بھی مطعون ھوا ـ چنانچه اسی کے مشورے پر ابن ھانی سمندر عبور کر کے مراکش آ گیا ـ یہاں اس کا ربط ضبط فاطمیوں کے جرنیل جوھر سے ھو گیا اور رفته رفته وہ فاطمی خلیفه المعز بن المنصور کی نظر میں آگیا اور اس کی مدح کہتا اور انعام پاتا رھا ـ فتح مصر کے بعد جب فاطمیوں نے اپنا پایۂ تخت مصر منتقل کیا تو ابن ھانی ، کچھ دور مصاحبت کے بعد ، اس ارادے سے واپس آیا که اھل و عیال کو ھمراہ لے کر پھر خلیفه کے دربار سے مستقلاً منسلک ھو جائے ـ چنانچه تیار ھو کر چلا مگر ,,برقه،، کے مقام پر پہنچا تھا که پر اسرار حالات میں اس کی موت واقع ھو گئی جس کی مختلف توجیہات کی گئی ھیں ـ ابن ھانی کی عمر اس وقت بعض روایات کے مطابق چھتیس اور بعض کے مطابق بیالیس سال تھی ـ کہتے ھیں که خلیفه المعز نے اس کی موت کی خبر سن کر بہت تاسّف کیا اور کہا ,,اس شخص سے ھمیں یه امیدیں تھیں که اسے فخریه شعرائے مشرق کے مقابلے میں لا سکیں گے مگر قسمت نے ھمارا ساتھ نه دیا ـ (۵۵)

ابن ھانی کے کلام میں معنی سے بڑھ کر لفظ پر توجّه ہے ـ گھن گرج بہت ہے مگر مفاھیم بہت کم ھیں مثلاً

هذا الاَغَرُّ الاَزهرُ المُتَألِّقُ المُتدفِّقُ المتبلِّجُ الوَضّاءُ
لِلنّاس اِجماعٌ علی تفضِیْلِهِ حتّی استَویَ اللُّؤمَاءُ و الکُرَمَاءُ
واللُّکنُ والفُصَحَاءُ والبُعَداءُ والقُرَبَاءُ والخُصَمَاءُ والشُّهَدَاءُ (۵۶)

,,یہ درخشندہ جبیں ، روشن چہرے والا ، چمکتا ہوا ، رواں دواں ، دمکتا ہوا ، حسین ونظیف ، سبھی لوگ اس کی فضیلت پر متفق ہیں ، تاآنکہ اس (اتفاق) میں یکساں طور پر شریک ہیں لئیم اور کریم اور ژولیدہ بیاں اور فصیح اور غیر اور اپنے اور مخالف اور موافق ،،

غالباً اسی جزالت لفظی کی بنا پر اسے متنبّی کا مثیل سمجھ لیا گیا ورنہ اس کے ہاں متنبی کی سی اختراعی صلاحیت نہیں پائی جاتی ۔ فطرت کی منظر نگاری اور حب الوطن جو اندلسی شعراء کا عمومی امتیاز ہیں،ابن ھانی کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ اس کی توجہ ان موضوعات سے زیادہ سیاست یا شراب پر رہی۔وصفیہ (Descriptive) شاعری میں اس نے جنگوں ، لشکروں ، ھتھیاروں وغیرہ کا بیان اپنے مخصوص اسلوب میں کیا ہے۔ مگر یہ کچھ نبھ نہیں سکا ۔ البتہ المُعِز کے بحری بیڑے کی تصویر کشی میں وہ کامیاب نظر آتا ہے۔ ابن ھانی نے اپنے غُلوّ عقیدہ کا اظہار خلیفہ المعز کے مدحیہ قصیدوں میں اس شدت سے کیا کہ بعض اوقات کفر و زندقت کی حدود کو جاچھوا (۵۷)

دقائق علمی ، مسائلِ فقھی اور لطائف شعری ایک سینے میں مشکل سے جمع ہوتے ہیں ۔ علماء اگر اپنی قادر الکلامی کی بنیاد پر شعر کہتے بھی ہیں تو وہ عموماً بوجھل قسم کی شاعری ہوتی ہے۔ لیکن قرطبہ کی خاک نے علی بن احمد ، ابن حزم (م ۴۵٦ ھ/ ۱۰٦۴ ع) کو جنم دے کر ابو نواس کے اس قول پر مہر تصدیق ثبت کر دی :

لیسَ مِن اللہِ بِمُستَنکَرٍ اَن یَجْمعَ العَالَمَ فی واحِدِ

فلپ ۔ کے ۔ حِتّی نے ابن حزم کو اندلس کی اسلامی تہذیب کا سب

سے بڑا عالم اور سب سے اچھوتا مفکّر نیز مجموعی اعتبار سے دنیائے اسلام کے دو یا تین زرخیز ترین اذہان اور نہایت بھر پور مصنفین میں سے ایک قرار دیا ہے (۵۸)۔ اُس کا باپ ، منصور الحاجب اور اس کے بیٹے کا وزیر تھا چنانچہ ابن حزم کو اعلی تعلیم حاصل کرنے کے بہتر سے بہتر مواقع ملے اور اس نے خود بھی عبدالرحمن المستظهر اور هشام المعتمد کا قلمدان وزارت سنبھالا ۔ سیاست کی راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے ابن حزم پر بھی گزری اور جاہ و منصب کی حلاوت کے ساتھ ساتھ اسے جلاوطنی اور قید و بند کی تلخیاں بھی برداشت کرنا پڑیں ۔ خلافت امویہ کے انحلال کے بعد اس نے خود کو صرف علمی و ادبی مشاغل کے لئے وقف کر دیا جو ہمیشہ سے اُس کی روح کا اصل تقاضا تھے ۔

ابن بشکوال نے قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن حزم تمام اهل اندلس میں اسلامی علوم کا سب سے بڑا امین تھا اور زباندانی ، بلاغت ، شاعری ، سوانح اور تاریخی واقعات سے بہرۂ وافر پانے کے ساتھ ساتھ وہ عام وسعت علمی میں بھی سب سے بڑھ کر تھا (۵۹)۔ اس کے بیٹے ابو رافع الفضل کا کہنا ہے کہ اس کے پاس اس کے والد کے قلم سے لکھی ہوئی چار سو جلدوں کے قریب تالیفات تھیں جو تقریباً اَسّی ہزار اوراق پر مشتمل تھیں (٦٠) ۔ ان کتابوں کے موضوعات کا تنوّع دیکھ کر ان کے مؤلف کی بےپناہ صلاحیتوں اور بوقلموں صفات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ فقہ ، حدیث، تاریخ ، انساب ، تقابل ادیان ، منطق ، کیا ہے جو یہاں موجود نہیں ۔ فقہ میں کچھ عرصہ شافعی مسلک کی پیروی کے بعد وہ ظاهری مسلک کا پر جوش مبلّغ بن گیا اور اسی نسبت سے ابن حزم الظاهری کے نام سے پہچانا گیا ۔ اپنی برّاقیء طبع کے زور میں اس نے

فقہائے سلف پر اس قدر کڑی نکتہ چینی کی کہ اس کی زبان کو حجّاج بن یوسف کی تلوار کا ہمزاد قرار دیا گیا ۔ نتیجہ یہ کہ فقہائے وقت اس کے خلاف یک زبان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی گمرھی پر اتفاق کیا (٦١) ۔ اس کی کتابیں نذر آتش کر دی گئیں جس پر اس کا تبصرہ یہ تھا :

وإنْ تحرِقُوا القِرطاسَ لاتحرِقُو الّذی
تَضَمَنَهُ القِرطاسُ بل هَو فی صدْرِی
یَسیرُ مَعِی حیثُ استقلّتْ رکائِبِی
وینزِلُ إنْ أنْزِلْ ویُدْفَنُ فِی قبْرِی (٦٢)

,,کاغذ کو اگر تم جلا بھی دو تو کیا ہے
جو کچھ کاغذ میں درج ہے اس کو تم نہیں جلا سکتے ، بلکہ وہ میرے سینے میں محفوظ ہے
جہاں جہاں میری سواری جاتی ہے یہ (علم) میرے ساتھ چلتا ہے اور جب میں پڑاؤ ڈالتا ہوں تو یہ بھی پڑاؤ ڈالتا ہے اور یہ میرے ساتھ ھی قبر میں دفن ہو گا "

بہرحال اس کے خلاف ردّ عمل کے دباؤ میں آ کر امرائے عصر بھی اس کی حمایت سے دستکش ہو گئے ۔ بالآخر وہ ,, مَنْت لِیْشَم " نامی (٦٣) ایک دیہہ میں ، جو اس کی ذاتی جاگیر تھا، فروکش ہو گیا اور وھیں وفات پائی ۔

لیکن علمی جاہ و جلال اور فقہی مناظرہ و جدال کی اس سنگین زرہ کے نیچے ابن حزم کے سینے میں کس قدر درد مند اور نرم و گداز دل دھڑک رہا تھا ۔ اس کا اندازہ ھمیں اس کی کتاب ,,طوق الحمامہ " (فاختہ کی کنٹھی) سے ھوتا ہے جس کا انگریزی ، روسی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ اس کی اھمیت و مقبولیت پر

روشنی ڈالتا ہے۔ ابن حزم کے شعر میں وہ فطری سلیقہ ، گھلاوٹ ، شدت احساس اور روانی ہے کہ یقین نہیں آتا کہ یہ اُسی ٹھیٹھ فقیہ کے اشعار ھیں جو ,,المحلّی ،، میں بولتا نظر آتا ہے۔ شاعری سے اسے کیسی طبعی مناسبت تھی اس کا اندازہ ابو عبداللہ الحُمیدی کے اس قول سے ھوتا ہے کہ :

,,مارأیتُ من یقولُ الشعرَ علی البدیھۃِ أسرعَ منہ ،،

,,میں نے فی البدیھہ شعر گوئی میں ابن حزم سے تیز کسی کو نہیں دیکھا ،، (٦٣)۔

اپنے دور کے عام شعری اسلوب کے برخلاف ابن حزم مجاز ، تشبیہ اور بلاغت کے دیگر ڈھلے ڈھلائے ، محسّناتِ لفظی و معنوی پر ضرورت سے زیادہ زور نہیں دیتا ۔ نہ فکری مبالغے سے کام لیتا ہے اور نہ لفظی گھن گرج کو اپنا مقصود بناتا ہے۔ اس کے ھاں جذبے کا سیدھا سادا فطری اظہار ملتا ہے جس کے پس منظر میں ایک عمیق احساس بولتا نظر آتا ہے۔

اس کی کتاب ,,طوق الحمامۃ ،، کا پورا نام ,,طوق الحمامہ فی الاُلفۃ والاُلاّف ،، ہے۔ کتاب کے حرف آغاز سے پتہ چلتا ہے کہ ابن حزم کے ایک پرانے دوست نے المَرِیّۃ سے اُس کے نام شاطبہ کے دورِ سکونت میں ایک خط لکھا جس میں اُس سے فرمائش کی گئی تھی کہ محبّت، اس کے مفاھیم اور اسباب و احوال پر ایک رسالہ ترتیب دے ۔

ابن حزم نے ـــــ جس پر تدیّن بے حــد غالب تھا ـــ اگرچہ آغاز میں یہ کہا ہے کہ مدتِ عمر مختصر ہے جسے سوائے فکر آخرت کے کسی شے میں صرف کرنا مناسب نہیں ، تاھم اُس دوست کی خاطر اُسے بہت عزیز تھی چنانچہ بعض اقوال و روایات کا سہارا لے کر جن میں ,,لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے ،، کا مضمون

بیان ہوا ہے اُس نے اس فرمائش کو ,,طوق الحمامــہ ،، کی صورت میں پورا کیا ہے۔ اس کتاب کو مجموعی اعتبار سے نفسیات عشق کا ایک دقیق تجزیہ کہا جا سکتـا ہے جو ابـن حزم نے ذاتـی تجربـات و مشاہدات کی اساس پر پیش کیا ہے ۔ مختلف ابواب میں عشق و محبت کے مختلف مدارج و احوال و اقســام پر روشنی ڈالتے ہوئے بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں جن کے لبّ لباب کو ابن حزم نے جابجا اپنے اشعار سے واضح کیا ہے اور اس طرح اس کے کلام کا ایک اچھا خاصا مجموعہ محفوظ ہو گیا ہے۔ ,,طوقُ الحمامہ ،، ہر چند کہ تمام تر آپ بیتی نہیں تاہم ابن حزم کی اخلاقی جرأت کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے گاہے گاہے آپ بیتی بیان کرنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اگرچہ دوسروں کے نام ظاہر کرنے میں احتیاط سے کام لیا ہے ۔ کتاب کی نظم و نثر دونوں اس کے ملکۂ ادبی اور ذوق شعری کا ثبوت ہیں ۔ حتّی نے بجا طور پر کہا ہے کہ ابن حزم نے اس کتاب میں عشق پاکباز (Platonic Love) کی برتری پر زور دیا ہے (٦٥)۔ چنـانچـہ آخری دو ابواب ,,قُبح المعصیۃ ،، اور ,,فضل التعفّف ،، میں عفّت و پاک دامنی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور ھـوسناکی کی بدانجامی پر ایک فقیہ و عالم دین کے انداز میں وعید شدید سنائی گئی ہے۔ آخر کتاب میں ابن حزم کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا ہے کیونکہ اسے یہ احساس ہے کہ بعض کٹّر لوگ اس کتاب کی تالیف پر اعتراض کریں گے ۔

ایک مقام پر یہ بحث کرتے ہوئے کہ آیا ,,وصل میں مرگِ آرزو ،، کا تصوّر درست ہے وہ اس سے اختلاف کرتا ہے اور ذاتی تجربے کے حوالے سے بتاتا ہے کہ وصل سے تو آتش شوق اور تیز ہوتی ہے اور محب کا دل محبوب سے کبھی نہیں بھرتا ۔ اس ضمن میں اس نے اپنے یہ شعر نقل کئے ہیں ۔

وَدِدتُ بانّ القلبَ شُقَّ بِمُدْيَةٍ
وأُدْخِلْتِ فيهِ ثمّ اُطْبِقَ فی صَدْرِی
فاَصْبَحْتِ فیهِ لا تَحُلّینَ غَیْرَہُ
اِلی مُقْتَضیٰ یومِ القیامةِ والْحَشْرِ
تَعِیْشِیْنَ فیهِ ماحَیِیْتُ فَاِنْ اَمُتْ
سَکَنْتِ شَغافَ القَلْبِ فی ظُلَمِ القَبْرِ (٦٦)

,,میری خواهش ہے که میرا دل کسی دشنے سے چیرا جائے اور — (اے محبوبه) تجھے اس کے اندر رکھ دیا جائے اور پھر اُسے (دوباره) میرے سینے میں بند کر دیا جائے ۔
سو تو وهیں کی هو رهے اور قیامت و حشر تک ، کسی اور دل میں نه اتر سکے
جب تک میں زنده رهوں تو اسی میں زنده رهے
اور اگر میں مر جاؤں تو تُو قبر کی تاریکیوں میں بھی میرے نہاں خانۂ دل میں هی مقیم رهے " ۔

ایک اور مقام پر یه بحث اٹھاتا ہے که شعراء نے ,,تصوّرِ محبوب " کو اس قدر اهمیت کیوں دی ہے ۔ اس سلسلے میں مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اپنے یه شعر لاتا ہے جن میں محبوب کے خواب و خیال کو حقیقی وصل پر ترجیح دینے کی وجه بیان کرتا ہے :

اَغارُ علیکِ مِن اِدْراکِ طَرْفی
واُشْفِقُ اَن یُذِیْبَکِ لَمْسُ کَفّی
فاَمْتَنِعُ اللِّقَاءَ حِذَارَ هذا
واَعْتَمِدُ التّلاقِیَ حینَ اُغْفِی
فرُوحِی اِنْ اَنَمْ ، بِکِ ذُو انفِرادٍ
مِنَ الاَعْضَاءِ مُسْتَتِرٌ و مَخْفِی

وَوصْلُ الرّوحِ الطفُ فِیکِ وقْعاً
من الَهمِّ المُواصِلِ اَلفَ ضِعْفِ (٦٧)

,,میں تو تیرے بارے میں یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ خود میری نگاہ تجھ پر پڑے
اور ڈرتا ہوں کہ تو میرے ھاتھ کے لمس سے پگھل نہ جائے
اسی خوف سے میں ملاقات سے باز رہتا ہوں
اور اس ملاقات پر انحصار کرتا ہوں جو نیم خوابی کی کیفیت میں ھوتی ہے کیونکہ ، اگر میں سو جاؤں ، تو میری روح کو تیرے ساتھ کامل خلوت میسر آتی ہے
اعضائے جسمانی سے مستور و مخفی ھو کر
اور روح کا وصال تجھ سے وہ حظ اٹھاتا ہے
جو جسم کے وصال سے ہزار گنا زیادہ لطیف ہے ،،

ابن حزم اپنے مسلک فقہ میں ,,ظاھری ،، ھو تو ھو کم از کم شعر و محبت کی دنیا میں تو وہ باطن کے بھی بطون میں نفوذ کرنا چاھتا ہے۔

ظاھر اور باطن کا ایک اور امتزاج غریب ، ابن العربی (٦٨) کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔ ابن مسدّی کے بقول :

,,کانَ ظاھریَّ المذھب فی العباداتِ ، باطنیَّ النَظَر فی الاعتقادات،، (٦٩)

وہ عبادات میں ظاھری مسلک کے قائل تھے اور اعتقادات میں باطن پر نظر رکھنے والے تھے ،،

ان کی شخصیت بھی عالم اسلام میں بہت اختلافی رھی ہے چنانچہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مندرجات کے مطابق :

,,بعض لوگوں کی رائے میں وہ ولی کامل تھے ، قطب زمان تھے اور علم باطنی میں ایسی سند تھے جس میں کلام ھی نہیں ھو

سکتا ۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ تھا جس کے نزدیک وہ بدترین قسم کے ملحد تھے ،، (۷۰)

محیی الدین محمد بن علی بن محمد ، ابن العربی (م ٦٣٨ ھ/ ۱۲۴۰ ء) جو دنیائے تصوف میں ،،شیخ اکبر ،، کے نام سے معروف ھیں ، اندلس کے شہر مُرسیه میں پیدا ھوئے ۔ نسباً ان کا سلسله حاتم طائی سے ملتا ہے جیسا که ان کی نسبتوں ،،الحاتمی الطائی ،، سے ظاھر ہے ۔ ان کے متداول دیوان میں بھی کہیں کہیں اس نسبت کا حواله ملتا ہے مثلاً :

لاَنِّنِی حَاتِمِی الْاَصلِ ذُوکَرَمٍ
مِنْ طَیِّئٍ عَـرَبِیٌ عَنْ اَبٍ فَاَبٍ (۷۱)

،،کیونکه میں حاتمی الاصل ھوں ، صاحب کرم ھوں ، قبیله طے سے تعلق ہے اور پشتینی عربی ھوں ،،

آٹھ برس کی عمر میں اشبیلیه آ گئے اور تیس برس تک وھاں کے مشاھیر علمـــاء سے تحصیل علم کرتے رھے ۔ ایک نادر روایت کے مطابق ، جو ابن الشعّار کی غیر مطبوعه تصنیف ،،عقود الجمان،، کے مخطوطے میں ملتی ہے ، (۷۲) ان کا خاندان امـــرائے بلاد کی فوجی ملازمت میں چلا آتا تھا اور وہ خود بھی ایک عرصه فوجی خدمات انجام دیتے رھے تاآنکه ۵۸۰ ھ میں (یعنی بیس برس کی عمر میں) یه مشغله ترک کر دیا ۔ اس کا سبب خود انہوں نے حلب میں ابن الشعار سے بدھ ٦ ربیع الاول ٦٣٥ھ کو ھونے والی ملاقات میں یه بتایا که وہ امیر ابوبکر یوسف بن عبدالمومن کی ملازمت کے زمانے میں ایک مرتبه امیر مذکور کے ھمراہ مسجد قرطبه میں گئے اور وھاں امیر کو رکوع و سجود کرتے اور خشوع و خضوع کے ساتھ الله تعالی کے سامنے گڑ گڑاتے دیکھ کر انھیں یه خیال آیا که اگر اتنے وسیع علاقے

کا بادشاہ ہو کر بھی اس شخص کی اللہ تعالی کے سامنے یہ کیفیت ہے تو پھر دنیا کی کچھ حقیقت نہیں ، اسی دن ملازمت سے طبیعت اکھڑ گئی اور راہ طریقت پر گام زن ہو گئی ۔

بعد ازاں اندلس کے مختلف شہروں سے گزر کر ، مراکش ، تونس اور مصر کے راستے ۵۹۸ ھ میں مکہ پہنچے جہاں طویل عرصے تک قیام کیا ۔ ان کا ضخیم شاہکار ,,الفتوحات المکّیہ ،، اسی دور کے مکاشفات روحانی کا گویا ایک ریکارڈ ہے ۔ پھر موصل و بغداد اور قونیہ کی سیاحت کی ۔ ٦.١٠ھ میں دوبارہ مکہ مکرمہ گئے جہاں سے پھر قونیہ اور حلب ہوتے ہوئے بالآخر دمشق پہنچے اور وہیں کوہ قاسیون کے دامن میں ان کا مزار ہے جس پر انہی کا یہ شعر کندہ ہے :

فِی کُلِّ عَصْرٍ وَاحِدٌ یَسْمُوبِہِ
وَاَنَا لِبَاقِی الْعَصْرِ ذَاکَ الْوَاحِدُ (۲۲)

,,ہر زمانے میں کوئی ایک فرد ہوتا ہے جو اسے بلندی عطا کرتا ہے اب جس قدر زمانہ باقی رہ گیا ہے اس کے لئے وہ فرد یکتا میں ہوں ،،

ابن العربی کی شاعری یوں تو ان کی کئی سو تصانیف میں ۔ جن میں ,,الفتوحات المکیۃ،، اور ,,فصوص الحکم،، سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہیں ۔۔ جا بجا بکھری ہوئی مل سکتی ہے لیکن خالص شعری مجموعے دو ہیں ۔ ایک ,,ترجمان الاشواق،، اور دوسرے ان کا ,,دیوان،، ۔

,,ترجمان الاشواق ،، کی شاعری ظاہری ہیئت کے اعتبار سے عربی کی روایتی عشقیہ شاعری ہے جو حسن نسوانی کے حوالے سے کی جاتی ہے ۔ ابن العربی کے خود نوشت دیباچے سے یہ پس منظر سامنے آتا ہے کہ (۲۳) ۵۹۸ ھ میں جب وہ مکہ گئے تو دیگر فضلاء و

صلحاء کے علاوہ ان کا رابطہ شیخ ابو شجاع زاھر بن رستم سے بھی رھا جن سے انہوں نے حدیث پڑھی ۔ شیخ کی ایک ناکتخدا بیٹی ، ,,النظام ،، نام (۶۵) ، حسن و جمال ، فصاحت و بلاغت ، زھد و عفت اور عبادت و ریاضت میں بے مثل تھی ۔ اسی کی ذات کو انہوں نے ترجمان الاشواق کی تشبیب ظاھری کا محور بتایا ہے تاھم ان اشعار کے باطن مفہوم کو بطریق رمز و ایما ، اعلی روحـانی واردات سے متعلق قرار دیا ہے ، جن کی حقیقت کو وہ خاتون خوب سمجھتی تھی۔ اشعــار کی ھیئت ظاھری کے سبب حلب کے کسی فقیہ نے اس رائے کا اظھار کیا کہ ان میں اسرار الھیہ کی گنجائش نکالنا محض مصلحت کا ایک پردہ ہے۔ چنـانچـہ ابن العربی کے دو شاگردوں نے درخواست کی کہ وہ اپنے کلام کی شرح خود لکھیں ۔ یہ فرمائش انہوں نے پوری کی اور یہ شرح اب ,,ترجمان الاشواق ،، کے ساتھ شامل ہے۔ شرح کا کچھ حصہ فقھاء کی ایک جماعت کے سامنے پڑھا گیا تو معترض نے اپنے اعتراض سے رجوع کر لیا اور یہ تسلیم کیا کہ فقراء کے ھاں بادہ و ساغر کے پردے میں مشاھدہ حق کی گفتگو سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ (۶۶) ابن العربی نے دیباچے میں اپنے اس اسلوب خاص کی وضاحت میں کچھ اشعار بھی درج کئے ھیں جن میں آخری شعر کو نمائندہ حیثیت دی جا سکتی ہے۔

فَاصْرِفِ الْخَاطِرَ عَن ظَاهِرِ هَا وَاطْلُبِ الْبَطِنَ حَتّٰى تَعْلَمَا(۶۷)

,,سو ذھن کو ان (مضامین شعر) کے ظاھر سے ھٹا

اور باطن کا کھوج لگا تاآنکہ تجھے حقیقت معلوم ھو جائے ،،

ابن عربی کی شاعری میں ظاھر اور باطن کی ان پر چھائیوں پر المقّری نے بھی ان کے ایک شعر کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے۔ (۶۸) اور ان کے کلام کے بارے میں حسن ظن کو لازم قرار دیا ہے۔ شعر یوں ہے

يَامَنْ يَّرانِي وَلاَاَرَاهُ   كَمْ ذَا اَرَاهُ وَ لاَيَرانی

,,اے وہ کہ وہ مجھے دیکھتا ہے جبکہ میں اسے نہیں دیکھتا
بارہا یوں بھی ہوتا ہے کہ میں اسے دیکھتا ہوں جبکہ وہ مجھے
نہیں دیکھتا ،،

ابن العربی کے کسی ساتھی نے یہ شعر سن کر کہا کہ تم یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہیں نہیں دیکھتا ؟ اس پر انہوں نے برجستہ کہا :

يَا مَنْ يَّرانِي مُجْرِماً   وَلاَ اَرَاهُ آ خِذا
كَمْ ذَا اَرَاهُ مُنْعِماً   وَلاَ يَرانِي لاَئِذا

,,اے وہ کہ وہ مجھے جرم کرتے دیکھتا ہے ،،
جبکہ میں اسے گرفت کرتے نہیں دیکھتا
بارہا میں اسے نعمتیں بخشتے دیکھتا ہوں
جبکہ وہ مجھے اپنی پناہ ڈھونڈتے نہیں دیکھتا ،،

,,ترجمان الاشواق ،، کی شاعری فنی اعتبار سے متقدمین کی پختہ گوئی ، اور الفاظ کے زور دار دروبست ، کے ساتھ ساتھ متأخرین کی مناسبات لفظی اور صنائع بدائع کا ایک اچھا امتزاج پیش کرتی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے :

غَازَلْتُ مِنْ غَزَلِي مِنْهُنَّ وَاحِدَةً
حَسْنَاءَ لَيْسَ لَهَا اُخْتٌ مِنَ الْبَشَرِ
اِنْ اَسْفَرَتْ عَن مُحَيَّاهَا اَرَتْکَ سَناً
مِثْلَ الغَزَالَةِ اِشْرافاً بِلا غَبَرِ
لِلشَّمْسِ غُرَّتُها ، لِلَّيْل طُرَّتُها
شَمْسٌ و لَيْلٌ مَعاً مِن اَعْجَبِ الصُّوَرِ
فَنَحْنُ بِاللَّيْلِ فِيْ ضَوءِ النَّهارِ بِهَا
وَنَحْنُ فِي الظُّهْرِ فِی لَيْلٍ مِنَ الشَّعَرِ (۶۹)

,,میں نے اپنے کلام عاشقانہ سے گفتگوئے محبت چھیڑی

ان میں سے ایک حسینہ کے ساتھ جس کی مثال بنی نوع انسان میں موجود نہیں اگر وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے

تو تجھے سورج کی سی تابانی دکھائی دے ، جو ایک بے غبار ماحول میں چمک رہا ہو

سورج کے پاس اس کی درخشان پیشانی ہے اور رات کے پاس اس کی زلفیں

نہایت عجیب صورت ہے کہ سورج اور رات یکجا ہیں

سو اس کے سبب سے ہم رات کے وقت روز روشن میں ہوتے ہیں

اور دوپہر کے وقت زلفوں کی رات ہم پر محیط ہوتی ہے "

ان اشعار کی عارفانہ شرح میں شیخ نے ,,واحدة " یعنی ,,ایک " کا اشارہ توحید کی طرف بتایا ہے نیز مختلف حسیناؤں میں سے ایک سے مراد مختلف معارف میں سے ایک خاص بلند مقام یعنی معرفت ذات لی ہے ، جو مقام مشاہدہ سے متعلق ہے جس کی مثال آیت ,,لیس کمثله شئی " ,,اس جیسی کوئی شے نہیں " کے مصداق کہیں نہیں ملتی ۔ دوسرے شعر میں چہرہ تاباں کی بےنقابی کا اشارہ حدیث ,, ترون ربکم کالشمس بالظهیرة لیس دونها سحاب " ,,تم اپنے ربَ کو یوں دیکھو گے جس طرح دوپہر کا سورج جس کے آگے بادل حائل نہ ہو " کی طرف بتایا ہے ۔ وعلی ھذا القیاس ۔

,,ترجمان الاشواق " کے ایک اور قصیدے کے یہ چند اشعار مشہور ہیں :

لَقَدَ صَارَ قَلْبِی قَابـلاً کُلُّ صُورَةٍ فَمَرْعیٌ لِغِـزْلاَنِ و دَیْـرٌ لِرُھْبَانِ
وَبَیْـتٌ لِاَوْثَـانِ و کَعْبَةُ طَائِفٍ وَاَلْـوَاحُ تَوْرَاةٍ و مُصْحَفُ قُرآنِ
اَدِیْنُ بِدِیْنِ الْحُبِّ اَنّیٰ تَوَجّھَتْ رَکَائِبُهُ فَالْحُبُّ دِیْنِی وَاِیْمَانِی(۸۰)

,,میرا دل ہر صورت کو قبول کرنے کا اهل هو گیا ہے
سو وہ ہرنوں کی چراگاہ بھی ہے اور راہبوں کی خانقاہ بھی اور
بتکدہ بھی اور طواف کرنے والے کے لئے کعبہ بھی
اور تورات کی الواح بھی اور مصحف قرآن بھی
میں دین محبت کی پیروی کرتا ہوں
جس طرف بھی اس کا قافلہ روانہ ہو
کہ محبت ہی میرا دین و ایمان ہے،،

ان اشعار کی عارفانہ شرح بھی خاصی تفصیلی ہے۔ ایک نکتہ یہ بیان ہوا ہے کہ ,,قلب،، کی وجہ تسمیہ ہی اس کا تقلّب یعنی تنوّع واردات و احوال ہے جو تجلیاتِ الٰہیہ کے تنوع کے نتیجے میں واقع ہوتا ہے ,,الواح تورات،، اور ,,مصحف قرآن،، کا اشارہ ,,علوم موسویہ عبرانیہ،، اور ,,معارف محمّدیہ کمالیہ،، کی طرف ہے جن کے حصول اور جن کی وراثت پانے کے اعتبار سے دل کو ,,الواح،، اور ,,مصحف،، کی حثیت حاصل ہے۔ ,,دین محبت،، کا اشارہ آیہ مبارکہ ,,فاتّبعونی یُحببکم اللہ،، ,,میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا،، کی طرف ہے ,,انّی توجّہَتْ،، میں محبوب کے ہر ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے کی رمز ہے۔ نیز یہ کہ دین محبت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو گروہ انبیاء میں ,,مقامِ محبت،، کا امتیاز حاصل ہے چنانچہ آپ ,,صفی،، ، ,,نجی،، اور ,,خلیل،، ہونے کے علاوہ ,,حبیب،، بھی ہیں جس میں ,,محب اور محبوب،، دونوں کا مفہوم شامل ہے پس آپ کی وراثت پانے والے بھی اسی راہ پر گام زن ہیں۔

,,دیوان ابن عربی،، کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ٦٢٩ھ میں مرتب ہوا۔ ہسپانوی فاضل آنجل جنثالث پالنشیا (Angel Genzalez

(Palencia نے اسے ,,ترجمان الاشواق " کے مقابلے میں فنی طور پر کمزور تصور کیا ہے۔ (۸۱)۔ دیوان خاصا ضخیم ہے۔ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے محمد بن اسماعیل شہاب الدین کی تصحیح متن کے ساتھ ۱۸۵۵ء میں بولاق مصر سے شائع ہوا۔ لیکن یہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس مخطوطے یا کن مخطوطات پر اس کی بنیاد ہے اشعار کو کسی بھی ترتیب پر مرتب نہیں کیا گیا نہ کوئی فہرست فراہم کی گئی ہے لہذا مطلوب اشعار کی تلاش از حد دشوار ہے۔ دیوان پر بیشتر غلبہ دینی اخلاقی اور متصوفانہ شاعری کا نظر آتا ہے جس کا عمومی مزاج ,,ترجمان الاشواق " کی شاعری کی طرح رمزی و علامتی نہیں ۔ دیوان میں کافی تعداد میں موشّحات بھی موجود ہیں (۸۲) ۔

,,الموشّح " اور ,,الزّجل " لوک شاعری کی وہ اصناف ہیں جنہیں اہل اندلس نے اختراع کیا۔ ہر چند کہ بعض اوقات موشّحات کا رشتہ ,,مسمّط " سے جوڑا جاتا ہے جس کی ایک مثال امر ؤالقیس کے کلام میں بتائی جاتی ہے۔ (۸۳) نیز ایک ,,موّشحہ " کی نشاندھی ابن المعتز کے دیوان میں بھی کی جاتی ہے لیکن یہ مثالیں تحقیقی اعتبار سے محل نظر ہیں (۸۴)۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں صنفیں اندلس میں پیدا ہوئیں جہاں موشحات کا موجد مقدّم بن معافیٰ القبری کو قرار دیا جاتا ہے جو امیر عبداللہ بن محمد المروانی کے دربار کا نابینا شاعر تھا۔ پھر ,,العقد الفرید " کے مصنف احمد بن عبدربہ نے اس فن کو آگے بڑھایا تاہم ان دونوں کی موشحات زیادہ اہمیت نہیں پا سکیں اور غالباً ضائع ہو گئیں ۔ المریّہ کے حاکم المعتصم بن صمادح کا درباری شاعر عبادۃ القزّاز پہلا آدمی تھا جو اس فن میں چمکا ۔ ابن خلدون نے اس کا کچھ نمونہ کلام محفوظ کیا ہے۔ (۸۵)

موشّحات ، خصوصاً ازجال اجتماعی لوک گیتوں کی حیثیت رکھتے تھے جنھیں لوگ گلی کوچوں میں ٹولیاں بنا کر بآواز بلند گاتے تھے ۔ ایک شخص ,,المنشد " یعنی مرکزی گانے والا ہوتا تھا جو تنہا ایک بند لےسے پڑھتا ۔ پھر ٹیپ کو سب لوگ مل کر دھراتے ۔ عود ، نے، طنبور ، دف وغیرہ آلات موسیقی بھی اس موقع پر بجائے جاتے اور گاھے گاھے رقص بھی کیا جاتا ۔ (۸٦) اس عوامی مزاج کے باعث ان اصناف کا فصیح عربی نیز عروض کے معروف اوزان میں ھونا مناسب نہ تھا ۔ یہ عامی لہجے اور عوامی دھنوں میں ھوتے تھے ۔ زجل کا مزاج موشح سے زیادہ عوامی تھا چنانچہ اس میں دارجہ لہجہ زیادہ استعمال ہوا ہے جس میں مقامی لاطینی دارجہ کے الفاظ بھی شامل ھیں ۔ لفظ ,, زجل " کا لغوی مفہوم عالم طرب میں گانا اور غل مچانا وغیرہ ہے۔ لفظ ,,موشّح " ,,وشاح" سے ہے جس کا مطلب وہ جڑاؤ پیٹی ہے جسے خواتین جنیو کے انداز میں ترچھا ، ایک طرف کے کاندھے سے دوسری طرف کے پہلو تک پہنتی تھیں ۔ غالباً ,,وشاح " کے رنگا رنگ موتیوں اور منکوں کی ترتیب اور موشح کے ابیات و اقفال کی ترتیب میں ایک مشابہت قائم کی گئی ۔ موشّحات کے مضامین بھی ھلکے پھلکے اور عوامی دل چسپی کے مطابق ھوتے تھے مثلاً حسن و عشق ، بادہ و ساغر ، اور منظر نگاری ۔ ان میں بسا اوقات پھکّڑپن کی آمیزش بھی ھوتی تھی اور یہ بالعموم لونڈیوں ، غلاموں یا بدمستوں کی زبانی تصور کئے جاتے تھے ۔ تاھم بعد میں انھیں مدح و ھجو اور زھد و تصوف وغیرہ مختلف مضامین کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا ۔

موشح و زجل کو سوقیانہ تصور کرتے ہوئے اول اول مستند شعراء نے انھیں درخور اعتنا نہ سمجھا چنانچہ ابن زیدون کے کلام میں

موشحات نہیں ملتیں حالانکہ اس کے دور میں ان اصناف کا رواج ہو چکا تھا۔ تاہم رفتہ رفتہ موشحات پر توجہ بڑھی۔ انہیں فصیح لہجے کے قریب تر لایا گیا اور مروّجہ اوزان کے سانچوں میں ڈھالنے کی بھی کوشش کی گئی اگرچہ اس فن کے لوگ مستند روایتی کلام موزوں کو اس صنف کے تقاضوں کے خلاف قرار دیتے ہیں چنانچہ شعوری طور پر کوئی ایسا ٹکڑا لایا جاتا ہے جو اسے لگی بندھی بحر سے خارج کر دے مثلاً :

صَبَرْتُ وَالصَّبْرُ شِيْمَةُ الْعَانِي وَلَمْ اَقُلْ لِلْمُطِيْلِ هِجْرَانِي
مُعَذِّبِي كَفَانِي

,,میں نے صبر کیا ، اور صبر ھی اسیر محبت کا شیوہ ہے اور میں نے ھجر کو طول دینے والے (محبوب) سے یہ نہیں کہا کہ اے میرے ستم گر بس بہت ہو چکی ،،

اب اس میں پہلے پورا شعر بحر منسرح میں آیا ہے لیکن ,,معذّبی کفانی ،، کا ٹکڑا اس سے خارج ہے۔ جو موشحات عروضی اوزان سے خارج ھیں ان میں کچھ تو ایسی ھیں جن کی بہر حال ایک دھن سی بن جاتی ہے جس کا ذوقی و سماعی ادراک ممکن ہے اور کچھ ایسی ھیں جن کی کوئی دھن یا آھنگ سمجھ میں نہیں آتا انھیں صرف عوامی گانے میں کھینچ تان کر ھموار کیا جا سکتا ہے۔ (۸۸)

یہ مسئلہ کہ موشحات کے مختلف بند اصطلاحی طور پر کیا کہلاتے ھیں حتمی طور پر طے شدہ نہیں۔ چنانچہ ,,بیت ،، (یعنی وہ حصہ جو وزن اور عدد ارکان میں تو باقی موشح سے یکساں ھوتا ہے لیکن قافیہ مختلف رکھتا ہے) بعض کے خیال میں ,,جزء ،، بھی کہلاتا ہے۔ ,,قفل،، وہ بند ہے جو وزن کے علاوہ ایک خاص قافیے کا بھی پابند ھوتا ہے اور بار بار اسی قافیے کی طرف لوٹتا ہے اسے ,,قفلہ ،،

بھی کہہ لیتے ھیں ۔ آخری ٹیپ ,,خرجه،، کہلاتی ہے۔ ابتدائی بند کو ,,مطلع،، یا ,,مذھب،، یا ,,غُصن،، کہا جاتا ہے ۔ ,,قفل،، کے مقابلے میں وہ ,, ابیات،، جو قافیے میں ,,قفل،، کی پابندی نہیں کرتے ,,دور،، یا ,,سمط،، بھی کہلاتے ھیں ۔ اگر آغاز ان ,,ابیات،، سے ھو تو موشح ,,اقرع،، کہلاتی ہے اور اگر آغاز ,,قفل،، سے ھو تو ,,تام،، ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ ان اصطلاحات کے طے شدہ نہ ھونے کے سبب اختلاف رائے اور ایک طرح کے ابہام کا پایا جانا فطری امر ہے۔ ابیات و اقفال میں تعداد ارکان بھی مختلف ھو سکتی ہے (۸۸) ۔

جب فصیح و مستند شعراء کی توجه موشحات کی طرف مبذول ھوئی تو اس صنف میں معروف شعراء کے کلام کو تضمین کرنے کا رجحان بھی پیدا ھوا ۔ چنانچه ابن الوکیل نے ابن زیدون کے مشہور قصیدے :

,,اضحی التنائی بدیلاً من تدانینا ،، (۸۹)

کو موشح میں کھپایا ہے :

مَنْ هامَ بِالْغِیْدِ — لاَقٰی بِهِمْ هَمَّاَ
بَذَلْتُ مَجْهُودِی — لِاَخْوِرِ اَلمٰی
یَهُمُّ بِالْجُوْدِ — وَرِدَّمَا هَمَّا
وَعِنْدَمَا قَدْ جَادْ — بِالْوَصْلِ اَوْقَدْ کَادْ
اَضْحَی التَّنَائِی بَدِیْلاً مِنْ تَدانِیْنَا

وعلی ھذا القیاس (۹۰)

,,جو کوئی نازک اندام حسینوں پر مرتا ہے ان کی طرف سے دکھ اٹھاتا ہے میں نے عنّابی ھونٹوں اور حسین آنکھوں والے (ایک محبوب) کی خاطر جو کچھ بھی بن پڑا کیا

وہ کرم گستری کا ارادہ کر کے پھر ارادہ توڑ دیتا ہے
اور بالآخر جب وہ آمادہ وصل ہو گیا ، یا ہونے ہی والا تھا
تو ,,ہمارے قرب کی جگہ جدائی نے لے لی ،،

موشحات کے فن میں الاعمی التطیلی ، ابن بقی ، ابوبکر ابن الابیض ، ابوبکر ابن باجة ، ابوبکر ابن زُہر محمد بن ابی الفضل وغیرہ اور آخر میں وزیر لسان الدین ابن الخطیب نمایاں نظر آتے ہیں۔

مشرق میں بھی موشحات کی پیروی کی گئی اور اس سلسلے میں ابن سناء الملک مصری کا نام سب سے اہم ہے جس کی موشحات کو مشرق و مغرب میں یکساں شہرت ملی ۔ موشحات کے فن پر اس کی کتاب ,,دارالطراز فی عمل الموشحات ،، آج تک یاد گار ہے۔

زجل ، جیسا کہ بیان ہوا موشح سے زیادہ عوامی چیز ہے جس کی زبان غیر معیاری مقامی لہجوں پر مبنی ہوتی ہے۔ زجل کے ارتقاء میں سعید بن عبدربه ابو یوسف ہارون الرمادی ، عبادة بن ماء السماء ، ابو عثمان بن سعید البلینة ، وغیرہ بہت سے شعراء نے حصہ لیا ۔ (۹۱) لیکن ابن قزمان ، ابوبکر محمد بن عبدالملک ، کو زجّالین میں نہایت نمایاں حیثیت حاصل ہے اس کی ایک معروف زجل کی ابتداء یوں ہوتی ہے :

يَا مَلِيْحَ الدُّنْيَا قُولْ
علی اش انت يا ابنَ ملُولْ
ای انا عندک وجيه
يتمجّج من وفيه ثمّ فاحلى ماتتيه
ترجع انسْنک وصول (۹۲)

فصیح عربی میں اس کی جو شرح بتائی گئی ہے اس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

,,اے دنیا کے ملیح ترین شخص یہ بتا
کہ آخر کیا سبب ہے کہ تو پیہم متغیر ہے کسی ایک حال پر
ٹھہرتا نہیں مجھے تیرے ہاں بڑا مقام حاصل ہے
بھلا انسان اپنے وفادار سے کیونکر نفرت کر سکتا ہے
جس قدر ناز کرنا ہے کر لے کہ بالآخر
تجھے اسی سے جا ملنا ہے جس سے تجھے محبت ہے،،

زجل کے عمومی موضوعات عوامی دل چسپیوں سے عبارت تھے جن پر پھکڑ پن اور فحش گوئی کا اثر بھی نمایاں تھا تاہم اسی صنف میں رفتہ رفتہ سیاسی ، مدحیہ بلکہ حزنیہ مضامین بھی جگہ پانے لگے۔

زجل کا فن اندلس کے تمام گوشوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ ان تمام شعرا کے نام گنانا ممکن نہیں جنھوں نے اسے اپنایا۔ اندلس سے مشرق کی طرف ہجرت کرنے والے شعرا کے توسط سے زجل نہ صرف دیار مشرق میں پہنچی بلکہ فرانس ، انگلستان ، جرمنی ، اٹلی ، پرتگال وغیرہ مغربی ممالک کے ادب پر بھی اس کا اثر دریافت کیا گیا ہے۔ (۹۳)

اندلس کی عربی شاعری کا یہ طائرانہ سا جائزہ بھی خاصا طویل ہو گیا حالانکہ وسعت موضوع کے اعتبار سے یہ ہنوز نہایت تشنہ ہے۔ اس طویل مختصر افسانے کے انجام کا منظر دیکھنے کے لئے ہمیں غرناطہ چلنا ہو گا جہاں ,,الحمرا،، کے درو دیوار مغرب اقصی میں مسلم اقتدار کے ڈوبتے ہوئے سورج کے پرتو میں کچھ اور بھی لہو میں غرق دکھائی دیتے ہیں۔ سنگ سرخ کی ان روشوں پر ، ان متناسب محرابوں میں لسان الدین ابن الخطیب اور ابن خلدون کے پیکر اہل نظر کو آج بھی متحرک نظر آتے ہیں۔

لسان الدین ابن الخطیب محمد بن عبداللہ (م : ٦۷۷ھ/۱۳۷۴ء) اپنے دور کا بہت نمایاں مورخ ، مصنف،شاعر اور سیاست دان تھا۔ فن شعر میں اپنی قادر الکلامی کے سبب اسے بنو الاحمر کے دربار تک رسائی حاصل ہوئی اور رفتہ رفتہ وہاں کا قلمدان وزارت سنبھال لیا اور سلطان ابو الحجاج یوسف پر اپنے زبردست رسوخ کے باعث بہت بااختیار ہو گیا ۔ ابن خلدون سے اول اول اس کی دوستی تھی لیکن جب وہ بھی غرناطہ آ گیا تو ابن الخطیب ، بعض بدخواہوں کی لگائی بجھائی کے نتیجے میں اس سے بگڑ گیا اور یہی بات ابن خلدون کی غرناطہ سے واپسی کا سبب بنی ۔ (۹۳)

ابن الخطیب کی شاعری کلاسیکی رنگ میں قادر الکلامی اور پختہ گوئی کا اچھا نمونہ ہے ۔ ایک موقع پر وہ عیسائیوں کے خلاف امیر تونس سلطان ابو عنان حفصی سے مدد مانگنے کے لئے ایک وفد کو ساتھ لے کر گیا اور اپنا مدعا نظم میں یوں بیان کیا :

خَلِیْفَةَ اللهِ سَاعَدَ الْقَدَرُ
وَدَافَعَتْ عَنْکَ کفُ قُدْرَتِهِ
وَجْهکَ فِی النَّائِبَاتِ بَدْرُ دُجیً
وَالنَّاسُ طُرّاً بِاَرْضِ اَنْدَلُسٍ
وَجُمْلَةُ الأَمْرِ اَنَّهُ وَطَنٌ
وَمَنْ بِهِ ۔ مُذْ وَصَلْتَ حَبْلَهُمُ
وَقَدْ أَهَمَّتْهُمُ بِأَنْفُسِهِم
عُلاَکَ ، مَا لاَحَ فِی الدُّجَی قَمَرُ
مَالَیْسَ یَسْطِیعُ دَفْعَهُ الْبَشَرُ
لَنَا وَفِی الْمَحْلِ کَفُّکَ الْمَطَرُ

لَولاَکَ مَا أَوْطَنُوا وَمَا عَمَــــرُوا
فِی غَیْرِ عُلْیَــاکَ مَالَــهُ وَطَرُ
مَا جَحَــدُوا نِعْمَــةً وَلاَ کَفَرُوا
فَاَوْفَدُوْنِی اِلَیْکَ وَانْتَظَرُوا

,,اے اللہ کے خلیفہ ، قسمت تیری بلندی کے ساتھ یاوری کرے
جب تک تاریکیوں میں چاند چمکتا رہے
اور اللہ کا دست قدرت ان (مصائب) سے تیرا دفاع کرتا رہے
جنھیں دور کرنے کی طاقت انسانوں میں نہیں ہے۔
تیرا چہرہ مصائب میں ہمارے لئے یوں ہے جیسے اندھیروں میں چودھویں کا چاند
اور قحط کے زمانے میں تیرا کف دست باران رحمت ہے
تو نہ ہوتا تو ارض اندلس کے تمام لوگ
نہ اسے وطن بناتے اور نہ وہاں بستے
مختصر یہ کہ وہ ایک ایسا وطن ہے
جسے تیری سر بلندی کے سوا کوئی خواہش نہیں اور وہاں کے رہنے والے
ـــ جب سے تو نے ان کی دستگیری کی ہے۔
کبھی کفران نعمت کے مرتکب نہیں ہوئے
اور اب جبکہ انہیں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں
انہوں نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور خود منتظر ہیں ،،

سلطان یہ شعر سنتے ہی وجد میں آ گیا اور جو جو کچھ مطلوب تھا سب کچھ دے کر ابن الخطیب کو واپس کیا ۔ (۹۵)

ابن الخطیب بے خوابی کا مریض تھا ۔ اس کا دن سیاست کی گتھیاں سلجھانے میں اور رات پڑھنے لکھنے میں بسر ہوتی تھی

چنانچہ اسے ,,ذوالعمرین ،، ,,دو زندگیوں والا ،، کا خطاب دیا گیا ۔ اس نے ساٹھ کی قریب تصنیفات چھوڑیں جن میں سے ایک تہائی کے لگ بھگ محفوظ رہ سکی ہیں ۔ ان میں ,,الاحاطة بتاریخ غرناطة،، بہت مشہور ہے ۔ وہ بلاشبہ اپنے دور کے ممتاز ترین اہل قلم میں سے تھا ۔ تاہم سیاسی اقتدار اور جوڑ توڑ کے شوق میں اس نے بہت سے دشمن پیدا کر لئے اور بالآخر

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پس زنداں کبھی رسوا سر بازار

غرناطہ چھوڑ کر دیار مغرب کی طرف نکلنا پڑا ۔ حاسدوں اور دشمنوں کی ریشہ دوانیاں یہاں بھی جاری رہیں جس میں رفتہ رفتہ وہ کامیاب ہو گئے ۔ ابن الخطیب پر زندقت کا الزام لگا ۔ سر عام اسے رسوا کیا گیا ۔ اور جیل کے اندر ہی گلا گھونٹ کر ہلاک کرا دیا گیا ۔ دفن ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ اس کی لاش بھی قبر سے نکال کر اسے جلانے کی کوشش کی گئی اور اس کے جسد نیم سوختہ کو دوبارہ سپرد خاک کیا گیا ۔ (٩٦)

ایک بار اس نے معتمد کی قبر پر کھڑے ہو کر کچھ شعر کہے تھے جن میں سے چند یہ ہیں

قَدْ زُرْتُ قَبْرَکَ عَنْ طَوْعٍ بِاَغْمَاتِ
رَاَیْتُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْلَی الْمُهِمَّاتِ
لِمْ لاَ اَزُورُکَ یَا اَنْدَی الْمُلُوکِ یَداً
وَیَا سِرَاجَ اللَّیَالِی الْمُدْلَهِمَّاتِ
وَاَنْتَ مَنْ لَوْتَخَطَّی الدَّهْرُ مَصْرَعَهُ
اِلٰی حَیَاتِی لَجَادَتْ فِیْهِ اَبْیَاتِی (٩٧)

,,میں دلی رغبت کے باعث اغمات میں تیری قبر کی زیارت کو

حاضر ہوا ہوں میں نے اس کام کو اہم ترین کام تصور کیا ہے
میں تیری زیارت کیونکر نہ کروں ، تو کہ بادشاہوں میں سب سے بڑھ کر سخی تھا
اور تاریک راتوں میں چراغ کی حیثیت رکھتا تھا
تو وہ تھا کہ اگر زمانہ تیری موت کو میری زندگی تک مؤخر کر دیتا تو تیرے لئے میری شاعری وفور کا عالم دکھاتی »

اس وقت اسے معلوم نہ تھا کہ اس کا اپنا انجام معتمد سے کہیں زیادہ سنگین ہو گا ۔ یہ سنگینی کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ سنتے ہیں کہ اس کے شاگرد ابن زمرک نے بھی اس سلسلے میں بروٹس کا کردار ادا کیا ۔

ابن زمرک ، ابو عبداللہ محمد بن یوسف (م ۔ تقریباً ۷۹۳ھ/ ۱۳۹۰ ء) کو اندلس میں عربی شاعری کا آخری ستون کہا جا سکتا ہے۔ وہ ایک اچھا نثر نگار بھی تھا ۔ سیاست کی وادی میں قدم رکھا اور اپنے استاد لسان الدین ابن الخطیب کے المناک انجام کے بعد وزارت کے منصب تک پہنچا ۔ اگر یہ درست ہے کہ وہ استاد کے قتل کی سازش میں شریک تھا تو پھر اس کے اپنے المناک انجام کو پاداش عمل بھی کہا جا سکتا ہے ۔ مرتبہ و منصب کے ساتھ جو رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں ان کے نتیجے میں بالآخر اسے اسی کے گھر میں قتل کروا دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے جو بیٹے اور ملازمین موجود تھے وہ بھی قتل ہوئے ۔ روایت کے مطابق قتل ہوتے وقت ابن زمرک نے قرآن ہاتھوں میں بلند کر رکھا تھا ۔ (۹۸)

بطور شاعر ابن زمرک کو ابن خفاجہ کے رنگ کا کامیاب شاعر سمجھا جاتا ہے چنانچہ مناظر فطرت کی عکاسی میں اسے زبردست ملکہ حاصل تھا ۔ الحمراء کے در و دیوار ، باغات اور وہاں کی

محفلوں کا نقشہ اس نے بڑا خوبصورتی سے کھینچا ہے۔ (۹۹) اس کے بعض اشعار آج تک الحمراء کی دیواروں پر نقش ہیں اور ان کی بے مثال مینا کاری کا حصہ ہیں ۔ ایک قصیدے میں اس نے جلتے ہوئے چراغ کی منظر کشی کی ہے جو اس کی دقّت مشاہدہ اور قدرت اظہار ، کے ساتھ ساتھ اس کی داخلی شخصیّت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں ۔ انہی چند شعروں کو ہم اس کے نمونہ کلام کے طور پر درج کرتے ہیں دیکھئے اس نے کس خوبی سے چراغ کی لو اور سوز محبت کو باھمدگر پیوست کر دیا ہے۔

لَقَدْ زَادَنِی وَجْداً وأَغْرىٰ بِیَ الجوَی
ذُبالٌ بِأذْيَالِ الظّلامِ قَدِ الْتَفَّا
تُشِيْرُ وَرَاءَ اللَّيْلِ مِنْهُ بَنَانَةٌ
مُخَضَّبَةٌ واللّيلُ قَدْ حَجَبَ الكَفَّا
تَلُوحُ سِنَاناً حِيْنَ لاتَنْفَحُ الصَّبَا
وَتَبْدُو سِواراً حِيْنَ تَثنِی لَهُ العِطْفا
قَطَعْتُ بِهَا لَيْلِی یُطارِ حُنِی الْجَویٰ
فَآونَةً يبدُو و آونَةً يَخْفىٰ
اِذَا قلتُ لايَبْدُو أشالَ لِسانَهُ
وإنْ قلتُ لايَخْبُو الضِّيَاءُبِهِ كَفّا
إلیٰ أنْ أفاقَ الصّبْحُ مِن غَمْرةِ الدُّجیٰ
وأهْدی نسيمُ الرَّوْضِ مِنْ طِيْبِه عَرْفا
لکَ اللهُ يامِصْبَاحُ اَشبَهتَ مُهْجَتِی
وَقَدْشَفَّهَا مِنْ لَوْعَةِ الْحُبِّ مَاشَفَّا (۱۰۰)

,,بلاشبہ میری کسک میں اضافہ کر دیا ہے اور درد محبت کو بھڑکا دیا ہے ایک فتیلے نے جو ظلمت کے دامن سے الجھ رہا ہے

اس کی ایک حنائی انگشت رات کے ماورا اشارہ کرتی ہے
جبکہ باقی ہاتھ پر رات نے پردہ ڈال رکھا ہے۔
جب بادصبا نہیں چلتی تو یہ (انگشت) نیزے کی انی کی طرح دمکتی ہے
اور جب صبا اس (فتیلے) کا پہلو دبا تی ہے تو یہ ایک کنگن کی صورت دکھائی دیتی ہے
اس کے سہارے میں نے رات گزاری دی
درد محبت مجھ سے مصروف کشاکش رہا
وہ (اس لو کی طرح) کبھی کھل کر سامنے آتا تھا اور کبھی روپوش ہو جاتا تھا۔
جب میں یہ سمجھنے لگتا تھا کہ اب وہ ظاہر نہیں ہو گا تو وہ اپنی زبان بلند کر دیتا تھا
اور جب میں یہ تصور کرنے لگتا تھا کہ اس کی روشنی اب نہ بجھے گی تو وہ مدھم پڑ جاتا تھا
(یہ سلسلہ جاری رہا) تاآنکہ صبح ، تاریکیوں کی کٹھنائی سے آزاد ہوئی اور باغوں کی ہوا نے اپنےمہکارکی لپٹ کا ھدیہ بھیجا اللہ تیرا بھلا کرے ، اے چراغ تو میری روح سے مشابہ ہے جسے سوز عشق نے بے حد زار و نزار کر رکھا ہے۔

روایت ہے کہ ۲ جنوری ۱۴۹۲ ء کو جب غرناطہ پر ھلال کی جگہ صلیب سایہ فگن ہو گئی اور اندلس کا آخری مسلمان حکمران ابو عبداللہ بوجھل دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ ، اپنے اہل خانہ اور جان نثار ھمراھوں کے جلو میں ھمیشہ کے لئے غرناطہ کو چھوڑ کر چلا تو پتھریلے پہاڑی راستے پر گھوڑا بڑھاتے ہوئے مغلوب سلطان نے مڑ کر الحمراء پر ایک نگاہ واپسیں ڈالی جس کے درو دیوار پر جا بجا

,,ولا غالب الا اللہ ،، کا نقش جمگمگا رہا تھا ۔ شدت جذبات سے اس نے ایک آہ سرد بھری اور اس کی آنکھوں میں تھما ہوا طوفان بہ نکلا ۔ اس مقام کو آج تک ہسپانیہ میں ۔

El Ultimo Suspiro del Moro

یعنی ,, مسلمان کی آخری آہ سرد ،، کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (۱۰۱) اسی آہ سرد کو ہم اندلس میں عربی شاعری کا مقطع تصور کرتے ہیں ۔ کیا ضروری ہے کہ شاعری الفاظ ہی میں کی جائے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

حواشی

۱ ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس رائے کا اظہار اپنے عربی مضمون ,,فتح الاندلس (اسبانیا) فی خلافۃ سیدنا عثمان سنۃ ۲۷ للھجرۃ،، میں کیا ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی کے عربی مجلہ ,,الدراسات الاسلامیۃ،، کے خصوصی نمبر ,,الاسلام فی الاندلس،، میں اشاعت کے لئے وصول ہوا ہے ۔

۲ ۔ مثلاً دیکھئے :

ابن الابّار ، محمد بن عبداللہ الحلّۃ السیراء ، تحقیق د ۔ حسین مونس ، القاہرۃ ۱۹٦۳ ـ ۱۹٦۳،، ۲۵/۱ ـ ۳۲ .

المقّری، احمد بن محمد، نفح الطّیب ...، تحقیق ڈوزی وغیرہ ، لائیڈن، ۱۸۵۸ ـ ۱۸٦۱، ۲۵/۲، ۲٦ ، ۲۹ ، ۳۰

۳ ۔ دیکھئے یاقوت الحموی ، معجم البلدان ، تحقیق وسٹنفلڈ ، طبع عکسی طہران ، ۱۹٦۵، ، ۷۸٦/۲

۳ ۔ محمد اقبال ، علامہ، کلیات اقبال (اردو) ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، پبلشرز ۔ لاہور، ۱۹۷۳، ، ص ۳۸۸ . (نظم ,,مسجد قرطبہ،،)

۵ ۔ ابن الابّار ، الحلّۃ السیراء، ۳۷/۱

المقّری ، نفح الطّیب ، ۲/۳۷ ، یہاں آخری شعر کی روایت ,,من صوبھا الذی،، کی جگہ ,,فی المنتأی الذی،، ہے ۔

یاقوت الحموی ، معجم البلدان ، ۷۸٦/۲ ، یہاں دوسرے شعر میں ,,فی التقریب،، کی جگہ ,,بالتقریب،، ہے ۔

ان اشعار کو عبدالملک بن بشر بن عبدالملک بن مروان سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔
کھجور ہی سے متعلق چار شعر کا ایک اور قطعہ

یـا نخـلَ انت غـریبـة مثلـی ۔ الخ

بھی عبدالرحمن الداخل کا بتایا جاتا ہے مگر اس کے بارے میں بھی اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ (دیکھئے ابن الابّار ، الحلّة السیراء ، ۱/۳۷ ۔ ۳۹، المقّری، نفح الطیب، ۲/۳۷ ,,غریبة،، کی جگه ,,فریدة،، ۔

٦ ۔ محمد اقبالؒ علامه ، کلیات اقبال (اردو) ، ص ۳۹۳ ۔ ۳۹۵ ۔

۷ ۔ ابن الابّار ، الحلّة السیراء ، ۱/۳۲ ۔ ۵۰

۸ ۔ الغزال، بلا تشدید، سند کے لئے دیکھئے ، الضبیّ ، احمد بن یحیی، بغیة الملتمس ... ,,تحقیق Codera & Ribera،، عکسی ایڈیشن بغداد ، (ت ۔ ن) از طبع میڈرڈ ، ۱۸۸۴ء ، ص ۳۸۵ ڈوزی وغیرہ نے نفح الطّیب (دیکھئے آئنده حاشیه ۱۰ ، ۱۱) میں الغزّال بالتشدید درج کیا ہے جس کی سند معلوم نہیں ہو سکی ۔

۹ ۔ آنخل جنثالث بالنثیا ، تاریخ الفکر الاندلسی، ھسپانوی سے عربی ترجمه حسین مونس ، قاھرہ، ۱۹۵۵ء ، ص ۵ ، ٥٦ ۔

۱۰ ۔ المقّری ، نفح الطّیب ، ۱/۱۷۸ ، ۲/۱۲۲ ۔

۱۱ ۔ مثلاً دیکھئے مصدر سابق ، ۲/۲۲۳ ۔

۱۲ ۔ دیکھئے ابن الخطیب لسان الدین محمد بن عبداللہ ، (تاریخ اسبانیة الاسلامیة) او) کتاب اعمال الاعلام ... ، تحقیق لیفی بروفنسال ، بیروت ۱۹۵٦ء ، ص ۱۸

۱۳ ۔ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ٦

۱۴ ۔ ابن الخطیب ، اعمال الاعلام ... ، ص ۲۳

۱۵ ۔ ایضــاً ، ص ۳۰

١٦ ۔ "R.A. Nicholson, *A Literary History of the Arabs*, Cambridge 1956, p. 416"

۱۷ ۔ القزوینی ، زکریا بن محمد ، آثار البلاد و اخبار العباد بیروت ۱۹٦۰ء ، ص ۵۳۱

۱۸ ۔ ابو نواس ، الحسن بن ھانی ، دیوان ابی نواس، تحقیق احمد عبدالمجید الغزالی ، قاھرہ، ۱۹۵۳ء ، ص ۱۲۳

۱۹ ۔ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۳۳

۲۰ ۔ ایضــاً ، ص ۳۸

۲۱ ۔ غالب، اسد اللہ خان ، ھود ھندیؔ ، مرتبه سید مرتضی حسین فاضل ، مجلس ترقی ادب ، لاھور، ۱۹٦۷ء ، ص ۲۹٦

۲۲ ۔ "Edward G. Browne, *A Literary History of Persia*, Cambridge, 1956, Vol. II, pp. 142–143."

۲۳ ۔ دیکھئے بطرس البستانی ، ادباء العرب ۔ ۳ (فی الاندلس و عصر الانبعاث) ، بیروت ۱۹٦۸ء ، ص ۲۷ ، ۲۸

۲۴ ۔ ابن الابّار ، الحلّة السیراء ، ۲/۵۵

۲۵ ۔ ایضــاً بحوالهٔ بالا

۲٦ - "Hitti, P.K., *History of the Arabs,* London, 1960, p. 539"

۲۷ - المقّری ، نفح الطّیب ، ۱/۲۸۷

۲۸ - ایضـاً ، ۲/٦۸۷ .

۲۹ - ابن خلّکان ، احمد بن محمد ، وفیات الاعیان ... ، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، قاهره، ۱۹۳۸ء ، ۳/۱۱۹

۳۰ - ایضـاً ، ۳/۱۲۱

۳۱ - الفتح بن خاقان ، قلائد العقیان ، بولاق ، ۱۲۸۳ هـ ، ص ۲۳

۳۲ - ایضـاً بحوالۂ بالا

۳۳ - کلیات اقبال (اردو) ، ص ۳۹۲ - ۳۹۳

۳۴ - ابن خلّکان ، وفیات الاعیان ، ۳/۱۲۷

۳۵ - المقّری ، نفح الطّیب ، ۲/۵۷۱

۳٦ - ایضـاً ، ۱/۲۸۹ ، ۲ ۵۸۰

۳۷ - ایضـاً ، ۲/۷۸۰

۳۸ - ایضـاً ، ۲/۷۸۱ ، ۷۸۲

۳۹ - سعدی شیرازی ، دیوان سعدی ، تحقیق مظاهر مصفّا، تهران، ۱۳۳۹ خ ، ص ۷۵۳

۴۰ - حالی، الطاف حسین ، دیوان حالی ، سٹار بک ڈپو ، لاهور ، ۱۹٦۰ء ، ص ۹٦

۴۱ - محمد اقبال ، علامه، کلیات اقبال (اردو) ، ص ۱۳۲ ، ۱۳۳

۴۲ - ابن خفاجة ، دیوان ابن خفاجة ، جمعیة المعارف ، مصر ، ۱۲۸٦ هـ ، ص ۱٦ - ۱۷

۴۳ - ایضـاً ، ص ۲۷

۴۴ - "Hitti, *History of the Arabs,* p. 560"

۴۵ - المقّری ، نفح الطّیب ، ۲/۵٦۳

۴٦ - ایضـاً ، ۲/۵٦۳ - ۵٦۴

۴۷ - بطرس البستانی ، ادباء العرب - ۳ ، ص ۱۲۴ ، ۱۲۵

۴۸ - ابن زیدون ، دیوان ابن زیدون ، تحقیق محمد سعید کیلانی ، مصر ، ۱۹۵٦ء ، ص۲۸٦

۴۹ - ایضـاً ، ص ۲۲۰

۵۰ - المعتمد ، دیوان المعتمد بن عباد ، تحقیق احمد احمد بدوی، حامد عبدالمجید ، قاهره، ۱۹۵۱ء ، ص ۷۷ - ۸٦

۵۱ - ابن زیدون ، دیوان ابن زیدون ، ص ۲۰۱

۵۲ - ابن رشیق ، العمدة فی صناعة الشعر و نقده ، مصر ، ۱۹۲۵ء ، ۱/۱۲۰

۵۳ - آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۸۳

۵۴ - ایضـاً ، ص ۸۳، ۸۴، نیز موازنه کیجئے ابن زیدون، دیوان ابن زیدون، ص ۱٦٦ - ۱٦۸

۵۵ - ابن خلّکان ، وفیات الاعیان، ۳/۵۰

۵٦ - د . زاهد علی ، تبیین المعانی فی شرح دیوان ابن هانی ، مصر ۱۳۵۲، ص ۱۹ ، ۲۰

۵۷ - ابن خلّکان، وفیات الاعیان، ۳/۵۱ ، نیز مثال کے طور پر دیکھئے ، د . زاهد علی ، تبیین المعانی ... ، ص ۳٦۵

۵۸ - Hitti, *History of the Arabs,* p. 558.

۵۹ ـ ابن بشکوال، خلف بن عبدالملک ، کتاب الصلة ، قاهرہ ۱۹٦٦ء ، ۲/۳۱٦

٦۰ ـ ایضـاً .

٦۱ ـ ابن خلّکان ، وفیات الاعیان ، ۳/۱۵

٦۲ ـ یاقوت الحموی، معجم الادباء ، مطبوعات دار المامون، قاہرہ، ۱۹۳٦ء ، ۱۲/۲۵۲، ۲۵۳

٦۳ ـ دیکھئے ابن خلّکان، وفیات الاعیان ، ۳/۱۵ ، ۱۷ ، شاید یہ مقام وہ ہے جو آج کل ,,کازا مونتیخا,, Casa Montija، کہلاتا ہے ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص۲۱٦

٦۴ ـ ابن خلّکان ، وفیات الاعیان ، ۳/۱۳

٦۵ ـ Hitti, *History of the Arabs,* p. 558.

٦٦ ـ ابن حزم، علی بن احمد، طوق الحمامة فی الالفة والالاّف، تحقیق حسن کامل، ابراهیم الابیاری، قاہرہ ، ۱۹۵۰ء ، ص ٦۲ ، ٦۳ .

٦۷ ـ ایضـاً ، ص ۹۸

٦۸ ـ بلاد مغرب میں انهیں الف لام کے ساتھ ,,ابن العربی,, کہا جاتا تھا ـ اہل مشرق نے ان کے نام اور قاضی ابوبکر ابن العربی کے نام میں فرق کرنے کے لئے ان کے نام سے الف لام ہٹا کر صرف ,,ابن عربی,, کہنا شروع کیا ـ دیکھئے المقّری ، نفح الطیب، ۱/ ۵۷٦ تاہم عملاً اس فرق کو کچھ زیادہ ملحوظ نہیں رکھا جاتا ـ بلکہ بعض اہل علم کے نزدیک اس خود ساختہ تفریق کا کوئی جواز بھی نہیں کیونکہ خود شیخ نے اپنے نام میں الف لام استعمال کیا ہے اور ناموں میں تبدیلی اصولاً درست نہیں (دیکھئے محمود محمود الغراب، الشیخ الأکبر محی الدین ، ابن العربی ـ ترجمه حیاته من کلامه ، دمشق ، ۱۹۸۳ء ، ص ۵

٦۹ ـ ایضـاً ، ۱/۵٦۹ ، ۵۸۲

۷۰ ـ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، زیر اہتمام دانش گاہ ، پنجاب ، لاہور ، آغاز اشاعت ۱۹٦۲ء، ۱/٦۰٦ .

۷۱ ـ ابن عربی ، دیوان ابن عربی ، بولاق مصر ، ۱۲۷۱ھ ـ ۱۸۵۵ء ص ۲۵۹ نیز دیکھئے ص ۱۹۲

۷۲ ـ ابن الشعّار، المبارک بن ابی بکر، عقود الجمان فی شعراء هذا الزمان ، مخطوطہ نمبر ۲۳۲۳ ـ ۲۳۳۰ کتب خانہ اسعد افندی ، مکتبہ سلیمان ، استانبول، ۷/۱۳۸ ب ـ ۱۳۹ أ ـ

۷۳ ـ دیکھئے محمود محمود الغراب ، الشیخ الأکبر محیی الدین ابن العربی، دمشق ، ۱۹۸۳ء ، ص ۲۳۸

۷۴ ـ ابن العربی محیی الدین ، ترجمان الاشواق ، بیروت ، ۱۹٦٦ء ، ص ۷، ۸، ۹

۷۵ ـ ان کے بعض اشعار میں بھی اس نام کی طرف اشارہ ملتا ہے مثلاً دیکھئے ، ابن العربی ,,ترجمان الاشواق,, ص ۸۳ ، ۱۲۷ ، اور ابتداء میں ص ۹ پر شیخ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ ,,فکل اسم اذکرہ فی هذا الجزء فعنها اکنی ,,, یعنی ان اشعار میں خواہ کوئی بھی نام آئے مراد وہی ہے ـ

۷٦ ـ دیکھئے ابن العربی ، ترجمان الاشواق ، ص ۹ ، ۱۰، ۱۹۹

۷۷ ـ ایضـاً ، ص ۱۱

۷۸ ـ المقّری ، نفح الطّیب ، ۱/۵۷۱ ، ۵۷۲

۷۹ ـ ابن العربی ، ترجمان الاشواق ، ص ۱۵۲ ، ۱۵۳

۸۰ ـ ایضـاً ، ص ۳۲ ، ۳۳

۸۱ ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۳۷۷

۸۲ـ مثلاً دیکھئے صفحات ۸۱، ۸۳، ۹۰، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۹ ـ ۱۲۱، ۱۲۲ ـ ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۰ ، ۱۹۵، ۱۹۹، ۲۰۰ ، ۲۰۱، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۸۹ ـ ۲۹۲، ۳۱۲ ـ ۳۱۳، ۳۳۶ ـ ۳۳۷ ، ۳۳۸ ـ ۳۳۹ ، ۳۵۲ ـ ۳۵۳ .

۸۳ ـ دیکھئے :

"*First Encyclopaedia of Islam,* edited by Houtsma, Wensinck et al, E. J. Brill 1987 Vol. VI, p. 796 (article MUWASHSHAḤ)

۸۴ ـ ایضاً ، بحوالۂ بالا ، نیز دیکھئے بطرس البستانی، ادباء العرب ـ ۳ ، ص ۱۶۵ ، ۱۶۶

۸۵ـ ابن خلدون ، عبدالرحمن بن محمد ، مقدمہ ابن خلدون ، بیروت ، (ت ـ ن) ، ص ۵۸۳ ، ۵۸۳

۸۶ ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۶۰

۸۷ ـ دیکھئے بطرس البستانی ، ادباء العرب ، ـ ۳ ، ص ۱۶۲ ، ۱۶۳

۸۸ ـ مزید تفصیلات نیز نمونہ ہائے کلام کے لئے دیکھئے :

ابن سناء الملک ، ھبۃ اللہ بن جعفر ، دار الطراز فی عمل الموشّحات ، تحقیق جودۃ الرکابی، دمشق ۱۹۳۹ء ، ص ۲۵ ، ۲۶

آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۳۳ ـ ۱۵۳

بطرس البستانی ، ادباء العرب ـ ۳ ص ۱۵۸ ـ ۱۶۱

First encyclopaedia of Islam, article "MUWASHSHAḤ".

۸۹ ـ ابن زیدون ، دیوان ابن زیدون ، ص ۱۶۵

۹۰ ـ دیکھئے المقّری نفح الطّیب ، ص ۱۶۵

۹۰ ـ دیکھئے المقری ، نفح الطّیب ، ، ۱/۳۱۷ ـ ۳۱۹

۹۱ ـ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۵۶ ، ۱۵۷

۹۲ ـ ایضاً ، ص ۱۳۳

۹۳ ـ ایضاً ، ص ۶۱۳ ـ ۶۳۰

۹۴ ـ دیکھئے ، ابن خلدون ، التعریف بابن خلدون و رحلتہ غربا و شرقا، تحقیق محمد بن تاویت الطنجی ، قاہرہ ، ۱۹۵۱ء ، ص ۹۱

۹۵ ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۲۵۳

۹۶ ـ ابن خلدون ، کتاب العبر و دیوان و دیوان المبتدا والخبر ... ، بولاق ۱۲۸۴ھ ، ۷/۳۳۱ ، ۳۳۲

۹۷ ـ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۳۹

۹۸ ـ الزّرکلی ، خیر الدین ، الاعلام ، بیروت ۱۹۸۰ء ، ۷/۱۵۴

۹۹ ـ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۳۰ ، ۱۳۱

۱۰۰ ـ المقری ، احمد بن محمد ، ازہار الریاض فی اخبار عیاض ، قاہرہ ۱۹۳۹ء ـ ۱۹۴۲ء ، ۲/۱۶۹ .

۱۰۱ ـ Hitti, *History of the Arabs,* p. 555.

★★★